قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جنوری
فروری
1989

طلوعِ اسلام کنونشن نمبر ۱۹۸۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

عیدالضحیٰ

جناب پرویز کی وہ تقریر جو دہلی ریڈیو سے 29 دسمبر 1941ء کی شام کو نشر ہوئی۔ قارئین طلوع اسلام کی خدمت میں بطور قند مکرر پیش کی جاتی ہے۔ (ادارہ)

مذہب کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک فرد کی ذاتی اصلاح کا ذریعہ ہے اس میں شبہ نہیں کہ افراد کی ذاتی اصلاح نہایت ضروری ہے لیکن یہ اصلاح اصل مقصد نہیں۔ عمدہ گھڑی کے ہر پرزہ کے لئے مضبوط اور درست ہونا ضروری ہے' لیکن اگر یہ پرزے الگ تھلگ پڑے ہوں تو ان کی پائیداری اور مضبوطی کسی کام کی نہیں۔ یہی پرزے جب ایک نظام کے تحت' ایک خاص ترتیب سے' ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو ان میں سے ہر پرزہ کی حرکت' دوسرے پرزوں پر اثر انداز ہوگی اور اس طرح ان کی اس مجموعی حرکت کا جیتا جاگتا نتیجہ' محسوس شکل میں' گھڑی کے ڈائل پر نمودار ہو جائے گا۔ اسلام افراد کی اصلاح سے ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جو نظامِ انسانیت کو عدل پر چلا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے ایک ایسا عملی پروگرام مرتب کر دیا ہے جس میں ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ نماز کے لئے پانچ وقت کا اجتماع۔ تقویٰ۔ ضبطِ نفس۔ غیر اللہ کی محکومی سے انکار۔ اللہ کی حاکمیت کا اقرار۔ مرکزیت۔ اجتماعیت۔ اطاعتِ امام کا عملی مظاہرہ ہے۔ جمعہ کے اجتماع میں یہ دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ عید کی تقریب پر اس کی حدود اور زیادہ پھیل جاتی ہیں اور بالآخر حج کے میدان میں اس کی وسعتیں ساری دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں۔ رمضانِ مبارک کے پورے مہینے کی مشق و ریاضت کے بعد جب ذہنوں میں جلا۔ دلوں میں تازگیٔ ایمان' نگاہوں میں مومنانہ فراست اور خون میں مجاہدانہ حرارت پیدا ہوگئی تو عید الفطر کے اجتماع میں ہر مقام سے ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی کے لئے بہترین افراد کا انتخاب ہوا۔ مسلم نمائندوں کے یہ قافلے دنیا کے دور دراز گوشوں سے جنگل' بیابان کوہ اور دریا کے مرحلوں کو طے کرتے ہوئے۔ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ اپنی بین الملی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے چاروں طرف سے ایک مرکز کی طرف سمٹے چلے آ رہے ہیں۔ دنیا میں کوئی جماعت بلا مرکز قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کے فکر و نظر کا مرکز قرآن۔ اطاعت کا مرکز امیر اور اجتماعیت کا مرکز وہ بیت الحرام ہے جو ایک خدا کے ماننے والوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا اور دنیا کے بتکدوں میں خدا کا پہلا گھر کہلایا۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبرکا وھدیً للعلمین ٥ (۹۵/ ۳) بلاشبہ پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لئے (بطور مرکز) بنایا گیا ہے وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ و من دخلہ کان امنا ٥ جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن اور حفاظت میں آ گیا۔

اسلام دنیا میں جس نظام کو قائم کرنے کے لئے آیا ہے اس کی بنا اس اصول پر ہے کہ تمام انسان ایک برادری کے فرد ہیں وہ ان تمام غیر فطری حد بندیوں کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ جن سے انسانوں کی یہ برادری مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ نسل کا امتیاز۔ رنگ اور زبان کا امتیاز۔۔ جغرافیائی حدود کا امتیاز اس کے نزدیک سب غیر فطری حد بندیاں ہیں۔ اس لئے خدا کے اس گھر میں جب انسان جمع ہوں گے تو باطل کے ان امتیازات میں سے کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ چینی۔ جاپانی۔ ہندی۔ افغانی۔ ایرانی۔ تورانی۔ حبشی۔ افرنگی سب ایک ملت کی شکل میں اس عظیم الشان حقیقت کا اعلان کرنے کے لئے جمع ہوں گے کہ

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہی نہیں بلکہ۔ مختلف قسم کے لباسوں سے جو اعلیٰ اور ادنیٰ کے امتیاز کی جھلک نمودار ہو سکتی ہے اسلام نے اسے بھی روا نہیں رکھا اور حکم دے دیا کہ ارضِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے سب ایک ایک بن سلی چادر میں لپٹے ہوئے حاضر ہوں۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ یہ ہے وہ وردی جو اسی بین الملی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ یوں باطل کے ہر امتیاز کو مٹاتے' وحدت کے رنگ میں رنگے یہ قافلے چاروں طرف سے' اپنے مرکز کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ سب ایک آقا کے غلام' ایک حاکم کے محکوم' ایک قانون کے تابع' ایک نظام کے پابند' فقیرانہ لباس' ننگے سر' گدایانہ وضع' قلندرانہ ادائیں' سکندرانہ جلال۔ دنیا بھر کے آستانوں سے بے نیاز' مستانہ وار گذرتے ہوئے ایک کی چوکھٹ پر سر جھکانے کے لئے بے تاب۔ دل وفور شوق سے بے قرار' آنکھیں مئے توحید سے نشہ بار لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے یوں رواں دواں' جانب مرکز کھنچے چلے آ رہے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں' رنگ و بو کی فضاؤں کے جوہر اپنے سینوں میں بھر کر سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے شام کے وقت اپنے چھتے کی طرف پروانہ وار اڑتی چلی آ رہی ہوں کہ اپنی محنتوں کا سرمایہ' تگ و دو کا ماحصل۔ مرکز میں لا کر اکٹھا کر دیا جائے۔

زمانۂ ابراہیمؑ میں رواج تھا کہ عہد و پیمان کی پختگی کے لئے ایک پتھر پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب ان رہروانِ منزلِ شوق کے قافلے۔ حریمِ کعبہ میں پہنچے تو اس عہد و پیمان کی تجدید کے لئے جو انہوں نے اپنے اللہ سے باندھ رکھا ہے۔ حجر اسود کو چھوا۔ بعض نے ہجوم کی وجہ سے دور ہی سے اشارہ کر دیا۔ کسی نے پیمان کے تقدس کی رعایت سے ہاتھ کو چوم لیا اور یوں اس عہد کی تجدید ہوئی کہ ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین o میری نماز۔ میرا حج۔ میرا جینا۔ میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اس عہد و پیمان کی تجدید سے' وجد و مسرت اور سرمستی و شیفتگی کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ والہانہ انداز میں خدا کے اس گھر

کے گرد، پروانہ وار گھوم رہے ہیں۔ کوئی کعبہ کی چوکھٹ پر سر رکھے محوِ نیاز ہے، کوئی اس کا غلاف تھامے عالمِ وارفتگی میں جھولی پھیلائے کھڑا ہے۔ دل میں مقدس آرزوؤں کا ہجوم۔ آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو۔ لب پر دعائیں۔ محویت کا عالم۔ آسمان سے نور کی بارش۔ رحمتوں کا نزول۔ غرضیکہ ایک نئی دنیا اور ایک عجیب سماں ہے۔

خمخانۂ حجاز کے متوالوں کے یہ قافلے 8 تاریخ کو عرفات کے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ پاک اور صاف، سر سے پاؤں تک للّٰہیت میں ڈوبے ہوئے۔ قدم وادیٔ مکہ میں۔ نگاہیں عرشِ معلیٰ پر، کوئی تیز گام کوئی آہستہ خرام۔ کشاں کشاں، 9 تاریخ کو اس میدان میں آ جمع ہوئے۔ کیسا حسین نظارہ ہے۔ سب ایک آقا کے غلام، ایک ملت کے فرد ایک ہی وضع، ایک ہی انداز، بھائی سے بھائی ملا۔ ایک کا دوسرے سے تعارف ہوا کہ اس مقام کا نام ہی عرفات کا میدان ہے، اجتماع کیا ہے؟ مساوات اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جس میں ہر قطرہ، اپنے آپ کو خود سمندر محسوس کرتا ہے۔ یہ سب خدا کے حضور جمع ہوئے۔ ان کا منتخب امام منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا۔ اس نے ملت کی اجتماعی حالت پر تبصرہ کیا اور سال بھر کے لئے ایک مرتب شدہ پروگرام کا اعلان کر دیا۔ جس کی تکمیل کے لئے دعائیں مانگی گئیں، التجائیں کی گئیں اور یوں یہ عظیم الشان اجتماع۔ زندہ آرزوؤں کی ایک نئی دنیا اپنے جلو میں لئے۔ دوسری صبح منیٰ کے میدان میں آ گیا۔ یہی وہ میدان ہے جہاں ملتِ حنفیہ کے پیشوائے اعظم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا تھا اور یوں اپنے ایمان محکم کا عملی ثبوت دیا تھا کہ تیرا حکم ہو تو عزیز ترین متاع بھی بلا تامل نثار کر دی جا سکتی ہے۔ اس صحرائی قربانگاہ میں پہنچ کر ملتِ اسلامیہ کے ان نمائندوں نے اس اقرار کو دہرایا کہ تیرا نام بلند کرنے کے لئے جو پروگرام مرتب ہوا ہے اس کی تکمیل میں جس قربانی کی ضرورت ہو گی بلا دریغ کر دی جائے گی۔ یہاں پہنچ کر مختلف ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے خیمے لگائے۔ یہ سب اللہ کے مہمان ہیں اس لئے خود ہی مہمان اور خود ہی میزبان ہیں آج صبح ہندی مسلمانوں کے ہاں سب کے کھانے کا انتظام ہے شام کو ایرانیوں کا اہتمام ہے۔ ان دعوتوں کے لئے قربانیاں کی جا رہی ہیں۔ سامان تو کھانے پینے ہی کا ہے لیکن چونکہ وہ مقصدِ عظیم جس کے لئے یہ اجتماع ہوا ہے خالصتاً اللہ کے لئے ہے اس لئے یہ دعوتیں بھی دنیا کی دعوتوں سے نرالی ہیں۔

لن ینال اللّٰہ لحو مھا ولا دماء وھا ولکن ینالہ **التقوی** منکم کذالک سخرھا لکم لتکبروا اللّٰہ علی ما ھدالکم و بشر المحسنین (۳۷/ ۲۲)۔ اللہ تک ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ۔ پاکیزگیٔ مقصد پہنچتی ہے۔ اس نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم اللہ کی راہنمائی پر اس کے نام کو بلند کرو۔ اور نیک کرداروں کے لئے بشارت ہے۔ دعوتیں اور ضیافتیں ہیں۔ ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک والوں کو اپنے مقامی حالات سے آگاہ کر رہے ہیں، دماغی اور قلبی تعارف ہو رہا ہے۔ ادھر ادھر مختلف ملکوں کی

مصنوعات کی نمائش لگ رہی ہے۔ خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (۱۹۸/۲) اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل (یعنی معیشت) کماؤ۔ اس طرح یہ اجتماع ملت اسلامیہ کے لئے دینی اور دنیاوی۔ سیاسی۔ اقتصادی۔ معاشی۔ معاشرتی فوائد کا ذریعہ بن رہا ہے کہ حج کا مقصد یہی ہے لیشھدوا منافع لھم تا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے حاضر ہوں۔

تین دن تک یہ اجتماع رہا جس میں عالم اسلامی کے ہر گوشے اور ملت اسلامیہ کے ہر شعبے کے متعلق باہمی تبادلہ خیالات ہوا۔ ادھر یہ ہو رہا ہے۔ ادھر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ملت کے افراد۔ اپنے اپنے ہاں وادیٔ مکہ کے اجتماع سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے عیدگاہوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے نیز اس پروگرام کو سننے کے لئے جس کا اعلان ایک دن پہلے میدان عرفات میں ہوا ہے۔ اس پروگرام کی اطلاعیں ریڈیو' ٹی وی' انٹرنیٹ اور تار برقی سے تمام عالم اسلامی تک پہنچ چکی ہیں۔ مقامی مسلمان عیدگاہوں میں پہنچے۔ اپنے اپنے خطیبوں سے اس پروگرام کو سن لیا اور سمجھ لیا جس پر اب سال بھر عمل کیا جائے گا۔ وہ تھا حج یہ ہے عید۔ وہ فریضۂ مقدس جس میں نوعِ انسانی کے قیام و بقاء کا راز ہے۔ تمام انسانوں کا اس لئے کہ مسلمان دنیا میں اپنے ہی لئے نہیں جیتا بلکہ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کو اس نظام پر چلائے جس سے انسانیت بڑھے۔ پھولے۔ پھلے اور عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کر کے' اس منزل سے اگلی منزل میں جا پہنچے۔ حج اس نظام کی سب سے اہم کڑی اور کعبہ اس نظام کا مرکز ہے۔ جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیٰما للناس (۹۷/۵)۔ اللہ نے کعبہ کو جو حرمت کا گھر ہے تمام انسانوں کے لئے (امن و عافیت کے) قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانوں نے مختلف خطوط پر مختلف قسم کی جمعیتیں بنا بنا اور بگاڑ بگاڑ کر مختلف تجربے حاصل کئے ہیں اور ہر تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ۔۔۔ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی۔۔۔ یہ سب اس لئے کہ جن اصولوں پر یہ جمعیتیں بنائی گئیں وہ سب غیر فطری تھے۔ فطرت کے مطابق تو ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ انسانوں کی تقسیم ملکوں اور قوموں کی رو سے نہ کی جائے بلکہ تمام انسانوں کو ایک عالمگیر برادری تصور کر کے انہیں ایک مرکز کے ماتحت خدا کے قانون کے تابع رکھا جائے۔ یہی وہ عظیم الشان اصول ہے جس کی رو سے مکہ کو ''ھدی للعٰلمین'' تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور کعبہ کو ''قیاما للناس'' تمام نوع انسانی کے قیام کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس جمعیت آدم کا فطری نتیجہ ہے' دنیا کا امن و سکون۔ و من دخلہ کان اٰمناo جو اس میں داخل ہوا۔ امن و حفاظت میں آ گیا حج اور عید اسی منزل کے نشانِ راہ ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمیل احمد عدیل

ربوٰ کی دلرُبا صورتیں

دین کے حوالے سے ہماری سوچیں زوال پذیر کیوں ہوئیں؟ مستقبل کا مورخ جب سینکڑوں اسباب شمار کروائے گا تو اس اہم تر سبب کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکے گا کہ اس دور میں ٹی وی چینلز پر نیم ملاؤں نے بھی ایمانیات کو لاتعداد خطرات سے دوچار کیا تھا۔ وضاحت کر دیں کہ ہم علمائے حق کا بے حد ادب کرتے ہیں اور دل سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ دین اسلام کو اصل اور حسین صورت میں برقرار و بحال رکھنے میں راست فکر علماء کا کردار سب پر حاوی رہا ہے۔ ہر دور میں صائب النظر علماء موجود رہے ہیں' بحمد اللہ آج بھی دنیا ان سے یکسر خالی نہیں ہے۔ لیکن یہ کڑوا سچ بھی طوعاً و کرہاً نگلنا ہی پڑے گا کہ اپنے گیٹ اپ کے اعتبار سے ٹی وی سکرین پر مکمل و اکمل دکھائی دینے والے بعض ''علماء'' 'یقیناً علمائے سوء میں شامل ہیں۔ یہ نکتہ ہمیں علمائے حق نے ہی سمجھایا ہے کہ دین کی آبرو اسی صورت میں سلامت رہے گی اگر مسلمان علمائے سوء سے بچ کر رہیں گے۔

صاحبو! حال ہی میں ایک ایسے ہی نام نہاد ''مفتی صاحب'' ٹی وی کی سکرین پر نمودار ہوئے۔ سائل نے ان سے سوال پوچھا: حضرت! میں بینک کی وساطت سے قسطوں پر گاڑی خریدنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے بینک مجھے مارک اپ پر گاڑی دے گا۔ مثال کے طور پر وہ گاڑی اس وقت مارکیٹ سے چھ لاکھ میں دستیاب ہے جبکہ بینک مجھ سے پانچ برس میں آٹھ لاکھ روپے وصول کرے گا۔ چونکہ میرے پاس یکمشت ادا کرنے کے لئے چھ لاکھ روپے نہیں ہیں' لہٰذا میرے پاس یہی آپشن ہے کہ میں قسطوں پر کار خرید لوں۔ اب وہ دو لاکھ تو سود ہوئے' سود کی اجازت نہیں' فرمایئے میں کیا کروں؟.....؟

دوستو! اب سماعت فرمائیں مسئول مفتی صاحب کا ''عارفانہ جواب''۔ دیکھئے جناب! وہ دو لاکھ تو واقعتاً سود ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ جب بینک والوں سے آپ کا ایگریمنٹ ہو جائے تو متعلقہ بینک آفیسر سے آپ میز پر موجود ایک قلم مانگ لیں۔ ظاہر ہے وہ آپ کو انکار نہیں کریں گے۔ اب آپ دل میں یہ نیت کر لیں کہ یہ پین میں

نے دو لاکھ روپے میں خریدا ہے۔ اس طرح وہ دو لاکھ روپے پین کی قیمت ہوگئی' سود نہ رہا۔

کیوں جی! آپ یہ جواب سن کر حیران ہوئے ہیں یا پریشان؟ سچی بات ہے ہم بھی حیران ہونے کی بجائے پریشان ہی ہوئے تھے وہ تو ہمیں برادر بزرگ حافظ شفیق الرحمن صاحب کے ایک کالم نے بتایا کتاب الفقہ میں ایک ''باب الحیل'' بھی ہوتا ہے جس میں ''نظریۂ ضرورت'' کے تحت مسائل کے حل کی ایسی ہی نوعیتیں متعارف کروائی گئی ہیں۔ اب ہم اپنی طرف سے کوئی اور تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں' البتہ صرف یہ گزارش کریں گے کہ بینک والوں کو چاہئے وہ گاڑیوں کی خرید و فروخت کی بجائے پین بیچنا شروع کر دیں' یہ کام ان کے لئے زیادہ ''سودمند'' رہے گا۔ اچھا یاد آیا ہم نے بہت پہلے کہیں پڑھا تھا یہ جو لفظ ''سود'' ہے' یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ قرآنی اصطلاح ''ربوٰ'' کا کسی طور مترادف نہیں ہے۔ اس فارسی لفظ کے لغوی معنی ''نفع'' ہیں۔

اب قارئین محترم! نفع حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں ہے۔ آخر دنیا کا ہر کاروبار اسی ایک کشش پر ہی تو چلتا ہے کہ دکاندار/ چیز بیچنے والا اپنی چیز فروخت کرتا ہے اور اس پر جائز فائدہ منافع کی صورت میں وصول کرتا ہے۔ پھر ''سود'' کو حرام کیوں قرار دیا گیا؟ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ''ربوٰ'' یا ''سود'' کا نام ''نفع'' رکھ دینے سے وہ نفع بن نہیں جاتا۔ ہمارے بینکنگ کے سسٹم میں' منافع' بچت' انٹرسٹ اور مارک اپ ایسے دسیوں نام اس ''عمل'' کے رکھے گئے ہیں جسے اللہ کی کتاب ربوٰ کہتی ہے۔ ایک تو حجازی لغت کے قارون ایسی مشکل زبان استعمال کرتے ہیں کہ عام آدمی کے کچھ پلے نہیں پڑتا۔ سادہ تر زبان میں آپ یوں سمجھ لیں کہ قرآن کے نزدیک ''ربوٰ'' منافع کی وہ صورت ہے جس میں بغیر کسی محنت و کاوش کے کسی کو فائدہ پہنچے۔ قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ صراحت کرتی ہے: ''یہ لوگ (سودخور) اپنی اس روش کے جواز میں دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ربوٰ (روپے پر زیادہ وصول کرنا) تجارت کی مثل ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں''۔ اب قرآن مجید آگے چل کر فوراً واضح کر دیتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی کٹ حجتی ہے تجارت میں انسان روپیہ بھی لگاتا ہے اور اس کے ساتھ محنت بھی کرتا ہے۔ وہ جو کچھ زائد لیتا ہے وہ اس کے روپے کا منافع نہیں ہوتا' اس کی محنت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ربوٰ میں محنت کچھ نہیں کی جاتی محض روپے پر منافع لیا جاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔

پیارے پڑھنے والو! اس درجہ واضح قرآنی مفہوم کی موجودگی میں ہماری سمتیں کیوں گم ہوگئی ہیں؟ ٹھیک ہے اس کی بنیادی وجہ تو بے شک یہی ہے کہ سرمایہ

داری کے نظام کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ ہم سب بے بس ہیں۔ اس وقت دنیا کے پورے سسٹم کو سرمایہ دار چلا رہے ہیں اور ہم ایک ترقی پذیر بلکہ پسماندہ ملک کے رہنے والے ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ وہ رعونت سے کہتے ہیں' "انا ربکم الاعلیٰ"۔ ہم جواباً کہتے ہیں بلاشبہ تو ہی سب سے اعلیٰ پالنے والا ہے۔ یارو! کم از کم نظری سطح پر پہلے مرحلے میں غلط کو غلط تو تسلیم کر لیں۔ لیکن یہ کیا یہاں علی الاعلان کہا جاتا ہے کہ سود در سود یعنی سود مرکب تو واقعتاً حرام ہے' لیکن سود مفرد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زمین کی بٹائی یا مضاربت بھی غلط نہیں ہے۔ یعنی زمین کا مالک کوئی اور ہو' مزارع محنت کر کے فصل اگائے۔ جب پیداوار تقسیم ہو تو ''مالک'' جس نے کچھ بھی نہیں کیا اسے گھر بیٹھے بٹھائے آٹھ حصے مل جائیں جبکہ مزارعت کرنے والے کو دو حصے۔ تاریخ بتاتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے سود/ ربوٰ کے متعلق آیات نازل کیں تو خاتم الانبیاء ﷺ مارکیٹوں اور کھیتوں/ زمینوں کا جائزہ لینے کے لئے بنفس نفیس تشریف لے گئے اور اس وقت کی ٹریڈ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس ضمن میں ایک حدیث پیشِ خدمت ہے جس کا انکار کوئی ''منکر حدیث'' ہی کر سکتا ہے:

ایک کھیت میں ایک صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ ملے جو کھیت کو پانی دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے کاشت کے معاملے کی تفصیلات پوچھیں تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ زمین فلاں شخص کی ہے اور میں اس پر کاشت کر رہا ہوں جب فصل تیار ہو گی تو آدھی مالک زمین کو دے دی جائے گی اور آدھی میں خود رکھ لوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں یہ تو سود کا کاروبار کر رہے ہو۔ زمین مالک کو واپس کر دو اور اپنی مزدوری اس سے لے لو۔ (سنن ابی داؤد مطبوعہ جلد سوم صفحہ ۳۵۵)۔

اس مرحلے پر ایک خاص نکتے کے تناظر میں ہم بات کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ واضح احکام کی روشنی میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلیپنگ پارٹنر کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہاں اکثریت کا یہی کہنا ہے کہ اگر سرمایہ کوئی لگائے اور محنت کوئی کرے تو وہ ''سویا ہوا شریک'' جو منافع حاصل کرے گا' وہ اس پر حلال ہے۔ جو زیادہ متقی ہیں انہوں نے اسے نفع و نقصان کی مساویانہ شراکت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ ایک تو یہ ہے کہ منافع کی شرح فکس نہ کی جائے' دوسرے یہ کہ اگر اس کاروبار میں گھاٹا پڑ جائے تو جس کا Capital ہے' وہ بھی نقصان میں شریک ہو گا۔ بادی النظر میں یہ شکل بے ضرر دکھائی دیتی ہے مگر ذرا گہرائی میں جا کر غور کیا جائے تو اصل فساد کی جڑ یہی صورت ہے۔

دین اسلام اپنی اساس کی اعتبار سے محنت کی

عظمت پر یقین رکھنے والا بہترین نظام ہے۔ اس کے پروگرام کا نقطہ ماسکہ یہی ہے کہ مترفین کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ واقعتاً یہاں قرعہ اندازی سے مالدار ہونے والے' جواء کھیلنے والے' نذرانے لینے والے ہر پیرا سائٹ کی سخت مذمت کی جاتی ہے۔ اب وہ لوگ جو سلیپنگ پارٹنر کہلاتے ہیں ان کی ساری گیم ہی پیسے کے زور پر آگے بڑھتی ہے۔ جس کسی نے کسی طرح اپنی ''دماغی صلاحیت'' سے ایک بار معقول رقم جمع کر لی اب اسے صرف ضرب کے فارمولے پر عمل کرنا ہے۔ زمین خرید کر وہ مزارعین کے سپرد کرے گا' خود چوہدری بنے گا' کام کرنے والے محنتیوں کو کمی بنائے گا اور عمر بھر چوڑا ہو کر کھائے گا۔ یا پھر وہ سرمایہ دار اپنی رقم کسی اور مشقتی کے سپرد کرے گا جو دن رات ایک کر کے کمائی کرے گا۔ اس سرمایہ دار کا اصل زر تو کہیں جا ہی نہیں سکتا' منافع کا معتد بہ حصہ پھر سرمایہ دار لے جائے گا اور محنت مشقت کرنے والا بے چارہ ساری زندگی بس برابر برابر ہی رہے گا۔ یہی کاہل سرمایہ دار فی الحقیقت وہ جونکیں ہیں جو معاشرے کا صدیوں سے لہو چوس رہی ہیں۔ ان کے برعکس وہ مزدور پیشہ غرباء ہیں' ان کا مقدر ہی مسلسل پستے چلے جانا ہے اور وہ پستے چلے جائیں گے۔ امیر امیر تر ہوتے چلے جائیں گے' غریب غریب تر۔ بات صرف بینکوں کے نظام کی نہیں' بات صرف پرائیویٹ سود خوروں کی نہیں' بات صرف اس کاروبار کو قانونی' شرعی تحفظ دینے والوں کی نہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ قرآنی نظامِ معیشت سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف ایک مربوط و مضبوط پہلی باقاعدہ آواز ہے۔ جب تک یہ مکمل معاشی نظام' جی ہاں اپنی مکمل صورت میں از سرِ نو نافذ نہیں ہوگا' تب تک کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ سارے سپنے تعبیروں کو ترستے رہیں گے۔ اس ایک کل کے سیدھے ہونے سے ساری کلیں اپنے آپ سیدھی ہو جائیں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغا شورش کاشمیری (مرحوم)

شاہکار رسالتؐ

(ایک معرکہ آرا تصنیف)

(عجمی تخیلات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویزؒ)

علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید الہیات کے پانچویں خطبہ میں فرمایا تھا:

''اگر قوم کے زوال و انحطاط کو روکنا ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ ہم گذشتہ تاریخ کو بے جا احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں یا اس کا احیاء خود ساختہ ذرائع سے کریں۔''

چودھری محمد احسن کے نام حضرت علامہؒ نے ایک خط میں لکھا (ملاحظہ ہو اقبال نامہ) کہ:

''میرے نزدیک مہدیت و مسیحیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی و عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ انکا عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں۔''

ایک دوسرے خط میں جو مولوی سراج دین کے نام ہے علامہؒ فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں ان کو عربی اسلام، اس کے نصب العین اور اس کی غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔''

انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار (صفحہ 193-192)۔

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام علامہؒ کا ایک خط ہے، فرماتے ہیں:

''میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب، لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔''

محمد دین فوق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش چیز ہے۔'' (انوار اقبالؒ صفحہ 66)۔

ارمغان حجاز کا وہ مصرع۔ ع

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ

اقبالؒ کے اس شدید تاریخی احساس ہی کا نتیجہ تھا۔

☆☆☆

محولہ بالا اشارات (اقتباسات) کا اقتضاء تھا کہ دانشوران اقبال اس موضوع پر قلم اٹھاتے اور اسلامیات کی تاریخ میں عجمی اثرات کا جائزہ لیتے لیکن کسی اقبالی نے اس پر غور نہیں کیا' نہ اس طرف توجہ کی اور نہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے راستہ کی اس سب سے بڑی روک کو دور کیا۔ اغلب خیال ہے کہ وہ اس کے اہل ہی نہ تھے اور ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ ان کی رُوپہلی اور طلائی مصلحتوں میں اس کا حوصلہ ہی نہ تھا۔

☆☆☆

دو روز پہلے مولانا تاج محمود (لائل پور) کی معیت میں ایک فاضل دوست سے ملاقات ہوئی تو وہاں دوران گفتگو اسلامیات میں عجمی اثرات کا ذکر آ گیا۔ اس دوست نے جناب غلام احمد پرویز کی تازہ کتاب ''شاہکار رسالتؐ (عمر فاروقؓ) کا ذکر کیا کہ اسکا مطالعہ ہر علم دوست کا فرض ہے۔ اقبالؒ نے جس عجمی سازش کو خطوط و خطبات میں اشارۃً بیان کیا۔ شاہکار رسالتؐ اس کا تفصیلی مرقع ہے۔ بڑے سائز کے 528 صفحات کی اس کتاب میں چودھواں باب بہ عنوان (شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد) کے تقریباً سو صفحات عجمی سازش کی تفصیلات سے متعلق کئی ہزار تاریخی صفحات کا نچوڑ ہیں۔ اس جامع باب کو ایک جامع کتاب کی خصوصیت حاصل ہے۔ ہر ضمنی عنوان کے تحت اس کی تفصیل موجود ہے۔ کوئی سی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اگر کوئی سوال ذہن میں ابھرتا ہے تو اس کا جواب انہی مباحث میں نکل آتا ہے۔ حتیٰ کہ مطالعاتی طبیعت بھی کوئی نہ کوئی نیا نکتہ حاصل کر پاتی ہے۔

☆☆☆

جہاں تک پوری کتاب کا تعلق ہے' راقم نے ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا۔ صرف چودھواں باب ہی بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ظاہر ہے کامل مطالعہ کے بعد ہی پوری کتاب پر نقد و نظر کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن چودھویں باب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر راقم نے محسوس کیا کہ:

(۱) پرویز نے عجم سے متعلق اقبالؒ کی ذہنی تگ و دو کو اپنے قلم کی معرفت' حقائق و معارف کے تاریخی سانچہ میں ڈھالا اور اندھیروں کو اجالوں سے متعارف کیا ہے۔

(۲) کتاب کے متعلق جیسا کہ عرض کیا قبل از مطالعہ رائے دینا مشکل ہے۔ انشاء اللہ یہ فرض بھی جلد ادا ہو گا۔ لیکن چودھواں باب تاریخ اسلام کے سیاسی و علمی مصائب کی ایک تجزیاتی کہانی اور فی الجملہ عجم کے ہاتھوں اسلام پر کیا گزری کی' روداد ہے۔

(۳) ہو سکتا ہے کسی دائرے میں یا کسی پہلو سے بعض اکابر علماء اور محقق فضلاء کو اساسی یا جزوی اختلاف ہو لیکن راقم نے پرویز سے متعلق اپنے مستعار نظریے میں' جو علمائے کرام کے فتوے کی بدولت ذہن پر نقش تھا' ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔ فی الجملہ پرویز اپنی سیاسی شدتوں اور شخصی عصبیتوں کے

باوجود اسلام کے تاریخی ذہن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر سوچتے ہیں۔ ان کے دل میں سرگزشت اسلام کی ویرانیوں پر شدید ہلچل ہے اور وہ مسلمانوں کی نئی پود کے ذہنی اضطراب کو دور کرنے کے لئے عصری افکار کے لہجہ میں اسلام کی اساس پر ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

(۴) محولہ باب کے مباحث ذیل کے عنوانوں پر ہیں۔ مثلاً۔

مسلمانوں کی طاقت کا راز کیا تھا؟ مسلمانوں سے قرآن چھڑا دینے کی باطنی تحریک کا آغاز اور اسکے نتائج۔ ایران وروما کی فتوحات اوران کا فرق۔ یزدگر کے دستہ خاص کا قبول اسلام۔ فتح قادسیہ کے بعد ایرانی ردعمل' کوفہ و بصرہ میں ایرانیوں کی آبادکاری۔ عجمی سازش کے دونمایاں محاذ۔ روایات کا طلسم خانہ۔ مسئلہ خلافت' حق وراثت کے سیاسی مضمرات' اہل ایران کا اپنے شہنشاہوں سے متعلق عقیدہ' عبداللہ بن سباء۔ رجعت کا عقیدہ۔ امامت کا منصوص تصور۔ کفر وایمان کا خط امتیاز۔ مستند شیعی روایات۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ بنی امیہ اور بنوعباس کی رقابتیں۔ سادات وعلوی۔ ابو مسلم خراسانی۔ برامکہ۔ فاطمین مصر۔ دیلمی حکومت۔ بغداد کا شیعی دور۔ عباسی سلطنت کا خاتمہ۔ ایرانیوں نے کتنی مدت بعد جنگ قادسیہ کا انتقام لیا۔ اسلام کی اساسات۔ مختلف فرقے اور ان کے ساختہ پرداختہ نظریے۔ محرف قرآن۔ باطنی معانی۔ محدث کا عقیدہ۔ کاشانۂ نبوت پر ذہنی آتشبازی۔ جامعینِ حدیث' سنیوں کے عقائد پر عجمی اثرات۔ جمعِ قرآن سے متعلق شکوک وشبہات۔ ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ۔ حدیث کا مقام۔ ابن جریر طبری کون تھے؟ طبری کی تاریخ۔ اسلام دین نہ رہا مذہب ہوگیا۔ آیۂ استخلاف کا مفہوم بدل گیا۔ مذہب وسیاست میں ثنویت۔ قانون سازی کے امکان کا خاتمہ۔ نظام سرمایہ داری کا احیاء۔ تقدیر کا عقیدہ۔ تقدیر سے متعلق روایات۔ تصوف کی حقیقت۔ ابن عربی۔ اساساتِ تصوف۔ باطنی علم کی سند۔ جہاد کے خلاف عجمی یلغار (افکار ملخص اور ان عوارض و امراض کا علاج جو مسلمانوں کے وجود کو اجتماعی طور پر لاحق ہو چکے ہیں۔

(۵) پرویز صاحب سے متعلق دینی حلقوں میں تسلسل و تواتر سے یہ فضا قائم رہی ہے کہ وہ منکر حدیث ہیں۔ لیکن انہوں نے جن شگفتہ الفاظ میں اپنے عقیدہ کی صراحت کی ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہوجاتا ہے۔

راقم استفساراً علماء سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں اور کانٹ چھانٹ کے بعد صرف 2762 باقی رکھیں۔ امام مسلمؒ نے تین لاکھ مدون کیں اور باقی 4348 رہنے دیں۔ امام ترمذیؒ نے تین لاکھ اکٹھا کیں اور 2115 کو مرتب کیا۔ امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ فراہم کیں اور 4800 کو احاطہ تحریر میں لائے۔ ابن ماجہؒ نے چار لاکھ کا ذخیرہ کیا اور کتاب میں چار ہزار نقل کیں۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ کے خزانہ میں 4321 کو

اپنے مجموعہ میں درج کیا۔ لیکن پرویز کی چھاڑ اس الزام میں کرنا کہ وہ احادیث کو تسلیم نہیں کرتے اس کی بنیاد کیا ہے؟ پرویز ان احادیث کو واقعی تسلیم نہیں کرتے جو قرآن پاک کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور جنہیں سرور کائنات ﷺ کے ارشادات سے کوئی سی نسبت ہی نہیں۔ ایسی احادیث خلافت راشدہ کے بعد بعض ملوکانہ مصلحتوں کے تحت وضع کی گئیں یا عجمی سازش نے اپنے سانچوں میں ڈھال کے انہیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کیا۔ ایک مبحث یا مسئلے کو، جو تاریخ اسلام کا عصری مضمون ہے اور نئی پود کے دماغ اس سے دوچار ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مقتدر علماء۔ اپنی یلغار سے اس کو ٹال نہیں سکتے اور نہ یہ مسئلہ یا مبحث کفر و اسلام سے متعلق ہے۔ نئی پود کی سوچ کیا ہے؟ پرویز نے اسی کی نمائندگی کی اور اپنی ذہنی جدوجہد سے اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑی ہے۔ بعض طبیعتوں کو شاید یہ گوارا نہیں لیکن علم کو غصہ سے روکنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

(۶) پرویز صاحب نے اسی باب میں اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں نہ سنی ہوں نہ شیعہ۔ میرا تعلق کسی بھی فرقہ سے نہیں۔ قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ اور میرا عقیدہ بلکہ ایمان یہ ہے کہ خدا کی یہ کتاب عظیم دین میں سند و حجت ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کا واحد معیار۔ کوئی عقیدہ، نظریہ، تصور، مسلک، مشرب، جو اس کے خلاف جاتا ہو میرے نزدیک درست نہیں، خواہ اس کی نسبت کسی طرف بھی کیوں نہ کی گئی ہو۔ اگر اس قسم کا کوئی عقیدہ بزرگان سلف میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق کسی فرقے سے ہو تو ان حضرات کے احترام کے پیش نظر میں یہی کہتا ہوں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہو گا۔'' (صفحہ 499)۔

ان الفاظ کے بعد پرویز کی شرعی چھاڑ لائق اعتنا نہیں رہتی۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا مختلف المعنی قول حجت نہیں بلکہ اس سے اِبا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

''شاہکار رسالت'' مضمون و موضوع کی عمدگی کے علاوہ کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ نظر و فکر کی بہت سی راہیں کشادہ کرتا اور اسلام کے مثالی نظامِ ریاست کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں کہ عمر بھر وہ اس کی آرزو کرتے رہے، اس کتاب کو مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف میں

پرویز صاحب سے ہمیں خود کئی دوائر میں اختلاف ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے ہمارے ذہن میں ان کے لئے احترام کی ایک خاص فضا پیدا ہو گئی ہے۔ اقبال عجم کے متعلق جو

چاہتے تھے، شاہکار رسالت ان کی اسی خواہش کا علمی مرقع اور تاریخی شہ پارہ ہے۔

پرویز کے خلاف فتوے واپس لیجئے۔

ایڈیٹر چٹان کو آج تک جناب غلام احمد پرویز سے ذاتی نیاز حاصل نہیں ہوسکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی عظیم کتاب شاہکار رسالتؐ پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہ رسالتؐ میں سرخرو ہوکر باریاب ہوں گے اور یہ کتاب ان کے لئے توشہ آخرت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان فضلاء کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے جن کے دل اسلام کے لئے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔

غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے صلحائے امت کے نزدیک کسی مقام پر ان کے قلم کو ٹھوکر لگی ہو۔ آخر وہ ایک انسان ہیں۔ لیکن ان کے سچا مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت ہیں۔ علماء سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ محض فروعات کا شکار نہ ہوں۔ شاہکار رسالت کا مطالعہ کریں اور ضرور کریں۔

ان کی بلند فکر کے نزدیک پرویز صاحب سے کبھی تفقہ فی الدین میں کوئی چوک ہوئی ہے تو انہیں محبت سے مطلع کریں تاکہ ایک سچا دل اپنی ''کوتاہی'' کا جائزہ لے سکے۔۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز بھی افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی ایک آواز ہیں۔ علماء کو ان سے متعلق اپنا فتویٰ واپس لینا چاہئے۔ (چٹان، مورخہ 13/5/1974)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشفاق احمد (جاپان)

کیلنڈر

اسلام سے قبل بھی عربوں کے ہاں کعبہ کی بڑی اہمیت تھی۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے کعبہ ہی ان کا مرکز تھا۔ حج اُن کے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا تھا جس کے لئے وہ عموماً بڑے اہتمام سے پہنچا کرتے تھے۔ عرب ویسے تو بڑی جنگجو قوم تھی۔ عام طور پر مالِ غنیمت کی خاطر ہی وہ سارا سال آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن پھر بھی حج کی اہمیت کے پیشِ نظر انہوں نے سال میں چار مہینے ایسے رکھ چھوڑے تھے کہ جن میں جنگ نہ ہو۔ قافلے نہ لوٹے جائیں تاکہ لوگ اطمینان سے حج کے لئے آئیں اور پھر حج کے موقعہ پر بھی امن اور سکون رہے۔

ذرائع آمدورفت تیز نہیں تھے اسی لئے حج کے لئے آنے اور جانے میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ حج کے لئے انہوں نے تین مہینے ذیقعدہ، ذوالحج اور محرم رکھے تھے جن میں جنگ نہیں ہوتی تھی۔ یعنی ایک مہینہ حج والا' ایک اُس سے پہلے اور ایک بعد میں۔ عمرے کے لئے بھی ایک مہینہ مقرر تھا جس میں جنگ رُک جاتی تھی اور وہ مہینہ تھا رجب کا۔

جنگ بندی کے یہ مہینے اُن کے ہاں کی روایت بن چکے تھے اور یہ چیز اُنہوں نے باہمی رضا مندی سے قبول کر رکھی تھی۔ بہرحال یہ ایک اچھی چیز تھی۔ قرآن نے بھی اس روایت کو اپنے ہاں قائم رکھا۔ نفسیاتی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو جنگ یا لڑائی میں اگر کچھ وقت کے لئے جنگ بندی کروا دی جائے تو دوبارہ لڑائی جذبات کے ٹھنڈے پڑنے کی بنا پر اس شدت سے شروع نہیں ہو سکتی۔

عربوں کے ہاں کیلنڈر سورج کے حساب سے نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ وہ چاند کے حساب سے مہینوں کا تعیّن کرتے تھے۔ زمین اپنے مدار کے گرد چکر 24 گھنٹوں میں مکمل کرتی ہے جس کو ایک دن کہتے ہیں۔ پھر زمین کا سورج کے گرد چکر تقریباً 365 دن میں مکمل ہوتا ہے جس کو ایک سال کہتے ہیں۔ اس کو 12 پر تقسیم کیا جائے تو سال کے بارہ مہینے بنتے ہیں اور اس طرح ہر مہینہ تقریباً

ساڑھے تیس دن کا ہوتا ہے۔ چاند کے حساب سے اگر کیلنڈر رکھا جائے تو نیا چاند نکلنے پر مہینہ شروع ہوتا ہے۔ چاند کا زمین کے گرد چکر 27 1/3 میں مکمل ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سورج اور چاند دونوں زمین کے ایک طرف (ایک سمت) ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے چاند کا تاریک حصہ زمین کی طرف ہوتا ہے اِس لئے اُس وقت زمین سے چاند نظر نہیں آتا۔ جب چاند ایک یا دو دن میں سورج سے ذرا مشرق کی طرف نکل جاتا ہے تو پھر ہمیں نظر آتا ہے جسے نیا چاند نکلنا کہتے ہیں۔ ہر نیا چاند تقریباً ساڑھے انتیس دن بعد نظر آتا ہے۔ اس کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔ ایسے بارہ مہینے ہوں تو تقریباً 354 دن بنتے ہیں۔ یعنی قمری سال شمسی سال سے تقریباً 11,10 دن پہلے ختم ہو جاتا ہے۔

کسانوں کے ہاں ہر فصل کی بوائی اور کٹائی کے لئے خاص موسم متعین ہیں اور موسم کی تبدیلی سورج کے حساب سے ہوتی ہے۔ چاند کے حساب سے اگر کیلنڈر رکھا جائے تو ہر سال 10 دن کم ہونے کی وجہ سے موسم کے تعین کے سلسلہ میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس دشواری کا حل عرب یہ کرتے تھے کہ ہر تیسرے سال ایک مہینے کا اضافہ کر دیتے تھے جس کو لوند کا مہینہ کہا جاتا تھا۔ یعنی اس سال (بارہ 12) کی بجائے (تیرہ 13) مہینے کا سال شمار کرتے تھے تاکہ موسم کے ساتھ مطابقت پیدا ہو جائے۔ اس اضافی مہینے کا طریق کار ہندوؤں کے ہاں بھی تھا۔ یہودی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اگر یہ بات صرف موسم کے تعین کے لئے ہوتی تو کچھ فرق نہیں پڑتا تھا کہ ہر تیسرے سال موسم کے ساتھ مطابقت کے لئے 12 کی بجائے 13 مہینے کر لئے لیکن جب بات یہ طے کرنے کی ہو کہ وہ کون سے مہینے ہیں جن میں اس سال جنگ نہیں ہوگی تو معاملہ بڑا اہم ہو جاتا تھا۔

اب یہاں مذہبی پیشوائیت اور مفاد پرست عناصر کا گٹھ جوڑ شروع ہوتا تھا۔ کعبے کے جو مہانت تھے ان میں ایک قبیلہ وہ تھا جس کی ذمہ داری یہ طے کرنے کی تھی کی اُس سال یعنی 13 مہینے والے سال میں وہ کون سے مہینے ہوں گے جن میں جنگ حرام ہو گی۔ وہ قبیلہ دوسروں سے ساز باز کر کے کچھ اور مہینے طے کر دیتا کہ اس سال حرمت کے یہ مہینے ہیں ان میں جنگ اور لوٹ مار نہیں ہوگی۔ اپنی مرضی کا فیصلہ لینے والے قبائل دوسرے قبائل پر چڑھائی کر دیتے۔ بعض دفعہ جنگ ہوتی اور بعض دفعہ خوب لوٹ مار۔ لٹنے والے قبائل کہتے کہ یہ تو حرمت کے مہینے تھے ان میں ایسا کچھ کیوں ہوا۔ معاملہ کعبے کے مہانتوں کے پاس پہنچتا۔ وہ کہتے کہ ہم نے تو اعلان کر دیا تھا کہ اس سال یہ حرمت کے مہینے ہوں گے اگر کسی نے نہیں سنا تو ہمارا کیا قصور۔ یہ تھی صورتِ حال زمانہ قبل از اسلام کی۔

قرآن جب قانون دیتا ہے تو وہ اس قسم کی باتوں کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ قرآن میں ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ رُمٌ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (التوبۃ 36:9)

یاد رکھئے! قانونِ خداوندی کی رو سے سال کے بارہ مہینے ہیں اور یہ بات اُس دن طے ہوگئی تھی جس دن ارض وسمٰوٰت کی تخلیق ہوئی تھی ان میں چار مہینے وہ ہیں جن میں جنگ حرام ہے اور یہ محکم دین ہے۔

لہٰذا، قرآن کے مطابق سال کے بارہ مہینے ہی ہو سکتے ہیں تیرہ نہیں اور یہ بات متعین شدہ ہوگی۔ کسی خاص گروہ کی طرف سے اس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ چاند کے حساب سے کیلنڈر کیوں رکھا جاتا تھا۔ جو قوم بھی تحریری حساب کتاب نہ رکھ سکتی ہو وہ عموماً چاند کے حساب سے مہینے کا تعین کرتی ہے یہ اُس کے لئے آسان ہوتا ہے۔ سورج کے حساب سے تو ہر روز ایک جیسا دن ہوتا ہے اور ایک جیسی رات ہوتی ہے۔ کب مہینہ شروع ہوا اور کب ختم ہوگیا پتہ نہیں چلتا۔ چاند کے حساب سے شمار کیا جائے تو نیا چاند نکلنے پر نیا مہینہ شروع ہوتا ہے۔ چودہ تک تو یہ بڑھتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ جب پھر نیا چاند نمودار ہوتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ ایک مہینہ مکمل ہو گیا۔ مہینے کے دوران بھی چاند کو دیکھ کر لوگ اندازہ کر لیتے ہیں کہ آج کون سی تاریخ ہے۔

عرب جیسی صحرا نورد قوم جہاں ایک قبیلہ یہاں اور دوسرا دس میل کے فاصلے پر ہو اور جو لکھنا پڑھنا بھی بالکل نہیں جانتے تھے وہ تحریری حساب کتاب کیسے رکھتے۔ ذرائع رسل ورسائل بھی بالکل نہیں تھے۔ ایسے میں ان کے لئے یہی آسان تھا کہ وہ اپنے ہاں مہینے کے تعین کے لئے چاند کے ذریعے سے حساب رکھتے۔ ہمارے ہاں بھی ابھی کل تک گاؤں کے لوگ چاند کے حساب سے ہی مہینوں کا شمار کرتے تھے۔

لیکن جہاں تحریری حساب کتاب عام ہو جائے وہاں سورج کے حساب سے کیلنڈر زیادہ آسان (Convenient) ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ سورج کے حساب سے موسم کے تعین میں دشواری پیش نہیں آتی۔ دوسرا یہ حساب طے شدہ (acurate) ہوتا ہے۔ چاند کے متعلق تو یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا (جدید ٹیکنالوجی کے بغیر) کہ یہ آج رات نظر آئے گا یا نہیں۔ بہرحال قرآنِ کریم کی رو سے یہ (Sanction) موجود ہے کہ سورج ہو یا چاند دونوں کے مطابق حساب رکھا جا سکتا ہے۔ جب علمی سطح پست ہو تو چاند کے حساب سے اور جب علمی سطح بلند ہو جائے اور تحریری حساب کتاب عام ہو جائے تو سورج کے حساب سے بھی رکھا جا

سکتا ہے۔

قرآن پہلے تو تمام آسمانی کُروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

کُل "فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (یٰسٓ 40:36) ہر کرہ اپنے اپنے مدار میں قانونِ خداوندی کے مطابق مصروفِ گردش ہے۔

ہمارا حساب کتاب سورج یا چاند کے مطابق ہوتا ہے اسلئے ان کے متعلق بھی کہا کہ

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرّحمٰن 55:5)

سورج اور چاند نہایت محکم حسابی قاعدے کے مطابق چل رہے ہیں۔

اوران کی یہ منزلیں اس لئے مقرر کی گئی ہیں کہ

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَالسِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط (یونس 10:5)

تا کہ تم ان سے سالوں کی گنتی اور مختلف قسم کے حساب کرسکو۔

سورج اور چاند دونوں خدا کے تخلیق کردہ ہیں۔ دونوں کے ساتھ حساب رکھا جاسکتا ہے۔ یاد رکھئے! چاند کے ساتھ حساب اسلامی اور سورج کے ساتھ حساب غیر اسلامی بالکل نہیں ہے۔ بلکہ جب قرآن کا پیش کردہ نظام عالمگیر شکل اختیار کرے تو سورج کے ساتھ حساب زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے روزمرہ کے معمولات سورج کے حساب سے ہوتے ہیں۔ فصلوں کی بوائی اور کٹائی موسم کے لحاظ سے ہوتی ہے اور موسم سورج کے حساب سے تبدیل ہوتے ہیں۔

نمازوں کے اوقات بھی سورج کے حساب سے ہیں۔ فجر کا وقت سورج نکلنے تک۔ ظہر کا وقت جب سایہ اپنے اصل سے تھوڑا بڑھ جائے۔ عصر کا وقت جب سایہ اپنے اصل سے دوگنا ہو جائے۔ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب۔ عشاء کا وقت جب سرخ دھاری سیاہ داری میں اچھی طرح بدل جائے۔ اسی طرح روزہ سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے پر افطار ہوتا ہے۔

اسی طرح دیگر معمولات کے لئے بھی حساب کتاب سورج کی رو سے ہوتا ہے۔ لیکن جب مہینے کے تعین کا معاملہ ہو تو چاند کے حساب سے تعین کس طرح ضروری اور لازمی ہوسکتا ہے جبکہ تحریری حساب بھی عام ہو چکا ہو۔ ذرائع رسل ورسائل بھی عام ہو چکے ہوں اور یہ لوگوں کو زیادہ آسان بھی لگے۔ اس کے علاوہ موسم کے تعین کے سلسلے میں بھی دشواری پیش آتی ہو۔

اس کا ایک حل تو یہ تھا جو عرب کرتے تھے کہ موسم کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے ہر تیسرے سال 13 مہینے کا سال کر دیتے لیکن قرآن نے کہا ہے کہ

مہینے بارہ ہی ہیں تیرہ نہیں ہیں۔ دوسرا حل یہ ہے جو موجودہ طرز پر چل رہا ہے۔ دونوں کا بیک وقت استعمال' موسم کا تعین اور دیگر روزمرہ کے معمولات اور نماز روزہ سورج کے حساب سے اور مہینے کے تعین کے لئے چاند۔

چاند کے ساتھ حساب رکھنے میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ اس کے ساتھ حساب اندازاً (Approximately) ہوتا ہے متعین شدہ (Acurate) نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ چاند پوری دنیا میں ایک دن (Same day) نظر نہیں آتا۔ کہیں ایک دن اور کہیں دو دن کا فرق آجاتا ہے۔ اس طرح جو مسئلہ پیش آتا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ساری امت میں انتشار نظر آنے لگتا ہے۔ چاند دیکھنے کے لئے امت میں سرپھٹول شروع ہو جاتا ہے۔ رویئت ہلال کمیٹیاں بنتی ہیں۔ مذہبی پیشوائیت یہ مقدس فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ کمیٹی کے ارکان عموماً عمر کے اُس حصہ میں ہوتے ہیں کہ جب دیکھنے کی صلاحیت بھی خاصی محدود ہو جایا کرتی ہیں۔ سائنسی علوم و انکشافات تک ان کی دسترس کس حد تک ہوتی ہے' اس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کے باوجود اصرار یہ کہ اگر وہ اعلان کریں گے تو مہینہ شروع ہوگا ورنہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ملک تو کیا بعض دفعہ ایک ہی شہر میں دو دو عیدیں منائی جاتی ہیں۔

اُمت کو اُمتِ واحدہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ ان کے تہوار ایک مقررہ دن پر ہوں۔ تمام دنیا کو اس کے متعلق پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو رمضان شروع ہوگا۔ فلاں دن عیدالفطر ہوگی' فلاں تاریخ کو حج ہوگا اور فلاں تاریخ کو دیگر تہوار۔ تمام دنیا میں یہ تہوار ایک دن اور ایک متعین شدہ تاریخ کو ہوں۔ ایسا صرف سورج کے حساب سے کیلنڈر رکھنے سے ہی ممکن ہے کیونکہ شمسی کیلنڈر رکھنے میں زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کا ہی فرق ہوسکتا ہے دنوں کا نہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہر مہینے چاند دیکھ کر مہینے کا تعین کرنے کی زحمت سے قوم کو نجات مل جائے اور پوری دنیا میں مسلمان متعین شدہ دنوں میں اپنے تہوار منا سکیں۔ قوم کو انتشار سے نکال کر مکمل ہم آہنگی کی طرف لانے کے لئے یقیناً یہ ایک اچھا قدم ثابت ہوسکتا ہے اور یہ قرآن کی منشاء کے بھی عین مطابق ہوگا۔

(درج بالا مضمون محترم اشفاق احمد' جاپان کی تصنیف ''کائنات میں انسان کا مقام اور مقصدِ زندگی'' سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب طلوعِ اسلام ٹرسٹ سے بھی دستیاب ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

سیکولرازم اور دوقومی نظریہ قرآن کی نظر میں

(قسط اول)

عنوان زیر بحث محترم عزیز اللہ بوہیو صاحب جن کا تعلق سندھ ساگر پارٹی سے ہے، پر ایک پمفلٹ چھاپا ہے۔ اس پمفلٹ میں موصوف نے دوقومی نظریہ اور سیکولرازم کے حوالہ سے علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویز مرحوم کی بعد از وفات انتہائی سخت لہجہ میں خبر گیری کی ہے۔ ہر دو مرحومین کا قلم سہواً بھی کبھی کسی کے خلاف اس انداز سے استعمال نہیں ہوا جو انداز محترم بوہیو صاحب نے اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے بوہیو صاحب کو ان کی زبان میں جواب دینے سے شاید وہ سمجھ سکیں۔ غالباً یہ ناممکن ہے کہ علامہ اقبال نے جناب حسین احمد مدنی مرحوم کے لئے ابوجہل کا لفظ استعمال کیا ہو۔ کم از کم راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ بوہیو صاحب پرویز مرحوم کے دروس میں شامل رہے ہیں ممکن ہے اس وقت بوہیو صاحب بقول ان کے ''طفل مکتب'' ہوں اور اب علامہ ہو چکے ہوں اس لئے دونوں مرحومین پر قوم، قومیت، دوقومی نظریہ کے تیر برسا رہے ہیں۔ اب بھی شاید ایسے لوگ موجود ہوں جو بوہیو صاحب کو قوم، قومیت، دوقومی نظریہ اور سیکولرازم کی حقیقت قرآن کریم کی نظر میں سمجھا سکیں۔

ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ بوہیو صاحب سندھی ہونے کی وجہ سے اردو میں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح پیش کرنے سے قاصر ہوں اس لئے ان کی اردو کی تحریروں میں سیاق سباق اتنا بے ربط ہو جاتا ہے کہ دو دو تین تین بار پڑھنے سے بھی قاری کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ پھر ہمیں ان کی قومیت کا احساس بھی مدنظر ہوتا ہے کہ شاید سندھی ہونے کے ناطے وہ اردو سے انصاف نہیں کر پاتے، اوپر سے غصے کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے سندھی زبان میں ان کی روانی اچھی ہو لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ؎

یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

بہرحال پمفلٹ کے سرورق پر سورہ یوسف کی آیت نمبر ۱۵ دی گئی ہے جس کا تعلق انتہائی غور و فکر کے بعد بھی کسی قوم کے ساتھ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی روش

کوئی نئی بات نہیں بس یہ ایک فیشن بن چکا ہے۔ محترم بوہیو صاحب نے سیکولرازم کی تشریح بڑے ''خوبصورت'' انداز میں کی ہے۔ انہوں نے دنیا کے تمام علاموں اور سکالرز پر الزام لگایا ہے کہ آج تک کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ سیکولر کے یا سیکولرازم کے اصلی معنی کیا ہیں۔ فرماتے ہیں:

''کہیں لفظی ہیرا پھیری کے ذریعے تحریفیں کی گئی ہیں۔ تو کہیں معناؤں میں' علمی دنیا کی اصطلاحات میں لفظ سیکولر کی اصطلاح بھی بڑی مظلوم ہے۔ مجھے یہاں صرف سیکولر لفظ سے متعلق گزارش کرنی ہے۔ اس کے لئے میں نے صرف تین عدد ڈکشنریاں دیکھی ہیں۔ اب بعض علمی شخصیتوں نے بشمول بانی طلوع اسلام علامہ پرویز صاحب کے اس معنی پر اضافے فرمائے ہیں کہ لادینیت' لا مذہبیت' انکار وحی اور وحی والے مذہب کے برعکس' عقل پر چلنا وغیرہ وغیرہ۔ اس لفظ اور اصطلاح کا معنوی پس منظر انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا نے بھی جو لکھا ہے وہ بھی کلیسائی پادریوں اور سائنسدانوں کی جنگ کی ایک قسم کی تفصیل اور تاریخ ہے۔ باقی براہ راست لفظی اشتقاق اور تحقیق اس میں بھی نہیں۔ شاید اس لئے بھی کہ اس کے مصنف نے لفظی تحقیق کو اہل لغت اور گرامر کا کام قرار دیا ہو۔ تو میں انگلش سے تو مکمل انجان ہوں پھر بھی ڈکشنری کی مدد سے سیکولر مادے کے مشترک صیغے معناؤں کے ساتھ عرض کرتا ہوں''۔ (اقتباس ختم)

واہ بوہیو صاحب! علم کو بلاتکبیر پڑھے جس بیدردی سے آپ نے ذبح کیا' شاید ہی کوئی عالم ایسا کر سکے۔ انسائیکلو پیڈیا پر آج تک اتنی کڑی تنقید خود کسی انگریز فلاسفر نے نہیں کی جتنی آپ جیسے محقق نے انگریزی میں انجان ہوتے ہوئے کی۔ انگریزی ادب میں آپ نے تہلکہ مچا دیا۔ جب عربی زبان کے مادے کو انگریزی ادب کے مادے کے قدموں میں بٹھا دیا۔ یاد رہے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی حیثیت ایک کسوٹی کی ہے' کوئی بھی ادبی تنازعہ کھڑا ہو تو فیصلہ اسی کتاب پر ہوتا ہے۔ پھر آگے جا کر آپ نے سیکولر کو سکولر اور اسکیلڈ کے معنی پہنا دیئے۔ آپ کو تو یہ حق حاصل ہے کہ ''معناؤں'' میں تحریف اور ردوبدل کر سکیں لیکن کسی اور کو آپ یہ حق نہیں دیتے۔ آیئے! میں آپ کو سیکولر کے معنی انسائیکلو پیڈیا سے بتاتا ہوں اور پھر آپ اس کا ترجمہ کریں اور پوری دیانتداری سے فیصلہ کریں کہ پرویز مرحوم نے انگریزی کا ترجمہ صحیح کیا ہے یا نہیں یا آپ کا بنایا ہوا ترجمہ درست ہے۔ آپ کے ترجمے کا

اقتباس انگریزی معانی کے بعد پیش کروں گا۔ (انسائیکلو پیڈک)

Secular:- 1.Pertaining to this world or the present life. Temporal, worldly, contrasted with religious or spiritual,

2.Not under the control of the church, civil, not ecclesiastical.

3.Not concerned with religion, not sacred secular art.

4.Not bound by monastic vows, opposed to regular, the secular clergy.

5.Occuring or observed but once in an age or century.

6.Lasting for ages.

Secularism:- Regard for worldly as opposed to spiritual matters, specifically the belief of secularists.

Secularists:- 1. A Person who bases morality on the well being of mankind in this world without any consideration of religious systems and forms of worship.

2. One who believes that religion should not be introduced into public education or the management of public affair.

Secularity:- 1. Secularism, worldlines,

2. Any practice or interest blonging exclusively to the present life.

Secularize:- 1. To make secular, convert from sacred to secular uses.

2. To make worldly.

3. To change from monastic or regular to a secular, as a monk. (صفحہ ۱۱۳۸)

بقول بوہیو صاحب ان کے اردو ''معناؤں'' کو آپ کیا جامہ پہنائیں گے۔ پرویز مرحوم نے اگر اس کا ترجمہ لادینیت' لامذہبیت' انکار وحی اور وحی والے مذہب کے برعکس' عقل پر چلنا کیا ہے تو اس میں کونسی غلطی ہے۔ انگریزی نص کا اس سے بہتر ترجمہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ آپ نے (بوہیو صاحب) انسائیکلو پیڈیا کو جن الفاظ میں جھٹلایا ہے۔ وہ اٹکل پچو اقتباس درج ذیل ہے۔ بوہیو صاحب فرماتے ہیں۔

> ''پھر ان کا کامن مفہوم اور قدر مشترک آپ سمجھیں۔ انگلش اسپیل سے مجھے معانی دین رومن انگلش اردو کے سہارے پیش کرتا ہے۔ اسکلپ۔ اسکالپ کے معنی ہے کھوپڑی۔ (یعنی دماغ وعقل کی جگہ) اسکالر کی معنی ہے عالم اسکول کی معنی ہے علمی درسگاہ سیکولر یا اسکیلڈ کی معنی ہے ہنرمند' کاریگر اور مستری وغیرہ اسکولنگ کی معنی نصیحت وتعلیم اپسی کولیشن قیاس کرنا اجتہاد کرنا

اسکولم اور اسکولینٹ کی معنی ہے شرح کرنے والا اور حاشیے لکھنے والا۔ اور لفظ سیکولر کی معنی تو دنیاوی کی گئی ہے لیکن بعض علاموں نے اس میں اپنی طرف سے اضافے فرمائے ہیں کہ لادینیت' لامذہبیت اور انکار وحی وغیرہ وغیرہ''۔

پیش کردہ اقتباس کو ایک بار نہیں ہزار بار پڑھئے ہر بار سر کے اوپر سے گزر جائے گا۔ سنا تھا کہ جنات ایسی بولی بولتے ہیں جو کسی کے سمجھ میں نہیں آتی اور بعض اوقات خود جنات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ مخالف جن کیا کہہ رہا ہے۔ اسکلپ کے لئے مجھے بیسیوں ڈکشنریاں دیکھنی پڑیں لیکن نہ ملا اور نہ ملا یہ لفظ۔ معلوم ہوا کہ بوہیو صاحب Skull کہنا چاہتے ہیں اور اس لفظ کے آخر میں P کا اضافہ ان کی اپنی تحقیق ہے۔ انگریزی میں انجان ہوتے ہوئے اتنی بڑی تحقیق آپ نے کی جس پر خود انگریزی ادب محو حیرت ہے۔ اس کے بعد موصوف کی تحقیق اسکالر سے ہوتی ہوئی سیکولر پر آ کر رک گئی۔ یہاں ہمیں مجبوراً مرزا غالب مرحوم سے معذرت کرنا پڑی۔

؎

رو میں ہے رخشِ ''تحقیق'' کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

بوہیو صاحب فرماتے ہیں۔

''ایک بات یہ تو سامنے آ گئی کہ سیکولر مادے کے مختلف صیغوں اور اشتقاقات سے یہ تو طے پا گیا کہ جن چیزوں کا تعلق دماغ سے ہو' عقل سے ہو' جو چیزیں علم' تحقیق ریسرچ اور اجتہاد سے تعلق رکھتی ہوں اور ترازو والی معنی میں عدل و انصاف سے تعلق رکھتی ہوں۔ دنیاوی والی معنی کی روشنی میں حکومت اور دنیاوی انتظامات سیاسی ایڈمنسٹریشن کے مفہوم سے متعلق ہوں۔ یہ سب اسی سیکولر مادے کی مختلف شکلوں کی معنائیں ہیں''۔

راقم کو بوہیو صاحب کے پمفلٹ سے بار بار اقتباس پیش کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہو رہی ہے کہ قارئین اچھی طرح بوہیو صاحب کی نظر میں سیکولرازم یا سیکولر اسٹیٹ کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری محسوس نہ کریں۔ کیونکہ انسائیکلو پیڈیا خود سیکولر اسٹیٹ میں مذہب (وحی) کے عمل دخل کی ممانعت کرتا ہے جبکہ بوہیو صاحب کی تحقیق کے مطابق سیکولر اسٹیٹ دراصل مذہبی یا وحی کی بنیاد پر چلنے والی حکومت کا نام ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دونوں کی سمتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں یعنی اگر انسائیکلو پیڈیا کی تشریح جانب شرق ہے تو بوہیو صاحب کی جانب غرب۔ بالکل ایسے جیسے ٹراؤٹ مچھلی پانی کے

بہاؤ کے الٹا چلتی ہے' اسی لئے سب سے مہنگی ہوتی ہے۔۔ اب اگر پرویز مرحوم تحقیق درست سمت میں کریں تو مورد عتاب' اور بوہیو صاحب جیسے مرضی ہو تحقیق کریں تو باعث ثواب۔

یہاں پشتو ادب کے ایک محقق کی تحقیق کا حوالہ دیئے بغیر بات ادھوری رہے گی۔ اگرچہ ترجمے میں وہ چاشنی آپ کو محسوس نہ ہو گی جو پشتو میں ہے تاہم دلچسپی برقرار رکھنے کی کوشش کروں گا۔ محقق نے پشتو الفاظ کے نئے معانی دریافت کئے۔

نیاں۔ (نانی)۔ لوگو دھنے زوڑ تصویر۔ (دھووں کی ماری ہوئی پرانی تصویر)۔

پلار۔ (باپ)۔ غٹ تھانہ دار۔ (بڑا تھانیدار)۔

پٹواری۔ پٹ گزار کولو والا۔ (چھپ کر وار کرنے والا)۔

ظاہر ہے تحقیق پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جس کا جس طرح جی چاہے تحقیق کر سکتا ہے۔ اتنا لحاظ ہونا چاہئے کہ تحقیق' تحقیق کے دائرے اور مقررہ حدود کے اندر رہ کر کرنی چاہئے تاکہ قاری اس تحقیق سے بہرہ مند ہو سکے بلکہ لطف اندوز بھی ہو سکے۔ آپ نے انسائیکلو پیڈیا سے ماخوذ سیکولر اور سیکولرازم کی تشریح پڑھ لی ہو گی۔ اس تشریح پر کرہ ارض کی ادبی و علمی دنیا سوائے بوہیو صاحب کے متفق ہے۔

رہی یہ بات کہ بقول بوہیو صاحب حکومت چلانے کے لئے عقل کی ضرورت ہے اور وحی بھی عقل کے استعمال کی دعوت دیتی ہے۔ لہٰذا ہر حکومت جو عقل کی بنیاد پر چلائی جائے گی وہ سیکولر ہو گی۔ یاللعجب!

اس میں شک نہیں کہ حکومت چلانے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ایسی حکومت جس میں حیات بعد الممات کا تصور نہ ہو' محض حاضر زندگی کے لئے سامان زیست مہیا کرے ایک سیکولر حکومت کہلاتی ہے۔ اس کے برعکس جو حکومت دنیا میں ینفع الناس اور حیات بعد الممات کی بنیاد پر قائم ہو کسی صورت میں سیکولر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو حکومت قوانین خداوندی پر عمل پیرا نہ ہو' قرآن کریم یا وحی خداوندی نے اس حکومت کو تین دفعات لگا کر سیکولر حکومت قرار دیا ہے۔

۱۔ وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا نہ ہوں وہ ظالم ہیں۔

۲۔ وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا نہ ہوں وہ کافر ہیں۔

۳۔ وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا نہ ہوں وہ فاسق ہیں۔

یہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۵، ۴۶ اور ۴۸ ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ کرہ ارض پر اسی نظام کو بقا حاصل ہے جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو۔

آج کرہ ارض پر نظر ڈالیں۔ تمام حکومتیں سیکولر ہیں۔ کسی ایک مملکت کو آپ اسلامی نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ خود انسان اپنے انسانوں ہی کے ہاتھوں بلبلا رہا ہے۔

اس کے بعد محترم بوہیو صاحب نے قومیت کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار اور ساتھ ہی قومیت پر تحقیق کی ہے۔ سندھیوں کو علیحدہ قوم، بنگالیوں کو علیحدہ قوم، پٹھانوں کو علیحدہ قوم اور عربوں کو علیحدہ قوم وطن کی بنیاد پر قرار دیا ہے، قومیت کا تعلق نظریات یا کسی نظریہ پر نہ ہونے کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ انشاء اللہ اگلی قسط میں ''قوم کیا چیز ہے قوموں کی حقیقت کیا ہے'' پر قرآن کریم کی نظر میں روشنی ڈالی جائے گی۔ امید ہے کہ سیکولر اسٹیٹ یا سیکولرازم پر بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہارِ تشکر

ستمبر ۲۰۰۵ء میں مجھے طلوع اسلام سینٹر کی زیر تعمیر وسیع عمارت دیکھنے کا موقع ملا۔ تو کام بند پڑا تھا۔ خاک اڑ رہی تھی۔ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ کافی رقم خرچ ہوئی اور بہت سی توانائیاں بھی صرف ہوئیں۔ جب کام کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا تو فنڈ ز ختم ہو گئے۔

قسمت کی بات دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

اس مایوسی کے عالم میں گنگا رام ہسپتال/طلوع اسلام سینٹر کے عنوان سے ایک اپیل شائع کی تو احباب نے میری پریشانی کافی حد تک کم کر دی۔ آپ کے لطف کرم نے دیے میں تیل ڈال دیا ہے اور چراغ کی روشنی کو خاصا بڑھا دیا ہے۔

مجھ کو اداس کر گیا جبکہ سلوکِ انجمن
اٹھ کے نگاہِ دلبری ہاتھ مرا دبا گئی

نومبر کے پرچہ میں تفصیلات دیکھ کر بڑا حوصلہ ملا۔ تو میں پانچ دسمبر کو اشرف ظفر صاحب نمائندہ بزم لاہور کی معیت میں پھر سائیٹ پر گیا تو الحمد للہ کام ایک بار پھر زور و شور سے شروع ہو چکا تھا۔ میرے جسم میں تازگی آ گئی۔ آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور چہرہ ہشاش بشاش ہو گیا۔ کام کی رفتار سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب اس عمارت کی تکمیل کی خوشخبری سال نو کے پہلے یا زیادہ سے زیادہ دوسرے مہینے میں آپ کو مل جائے گی۔

فرش اور دیواروں پر بڑی خوبصورت اور دیدہ زیب ٹائلیں لگائی گئی ہیں جس سے بلڈنگ کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں کبھی سفیدی ڈسٹیمپر یا پینٹ کروانے کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔ کام کی مضبوطی اور پائیداری کا یہ عالم ہے کہ آئندہ پچاس سال تک ہمیں مرمت کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔ میں نے چند انجینئر دوستوں کی رائے لی تو ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس بلڈنگ کی لائف کم از کم ایک صدی تک محیط ہو گی۔

کسی باغبان نے پھل دار درخت لگاتے

ہوئے کہا تھا کہ فلاں درخت میرے باپ نے لگایا اور آج میں اس کا پھل کھا رہا ہوں۔ جو میں لگا رہا ہوں۔ اس کا پھل میری اولاد کھائے گی۔ اس کے برعکس جو باغ آپ لگا دیتے ہیں۔ اس سے نہ صرف آپ کی ذات مستفید ہو گی بلکہ آئندہ آنے والی کم از کم تین نسلیں بھی فائدہ حاصل کر سکیں گی اور یہ صدقہ جاریہ ہو گا۔

آپ جب کبھی لاہور آئیں تو اس بلڈنگ کو ضرور دیکھئے گا۔ فاصلہ بھی دور نہیں اور وقت بھی زیادہ نہیں لگے گا۔ ریلوے سٹیشن لاہور سے ہر پندرہ منٹ بعد اومنی بس جلو موڑ جاتی ہے جو صرف دس روپے میں آپ کو منزل پر پہنچا دے گی۔ آپ وہاں جائیں گے تو آپ کا خون بڑھ جائے گا۔ روح خوش ہو جائے گی اور آپ کا دل اور ضمیر مطمئن ہوں گے کہ آپ نے بہت ہی نیک اور اچھا کام کیا ہے۔ اس عمارت کا جو نقشہ آپ کے ذہن میں ہے۔ اس کو کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین پائیں گے۔

اب صرف فنشنگ کا کام ہو رہا ہے۔ اگر احباب کی توجہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا تو کام حسب وعدہ مکمل ہو جائے گا۔ اس وقت اگر اکاموڈیشن ہماری ضرورت سے زیادہ محسوس ہوئی تو اس کا کچھ حصہ کرائے پر دے کر آمدنی کا ایک ذریعہ پیدا کر لیں گے۔ جس سے قرآنی لٹریچر کو زیادہ تعداد میں اور کم قیمت پر شائع کرنے میں مدد ملے گی۔

میں تمام ڈونرز کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست کا فراخ دلی سے جواب دیا۔ بلکہ کہہ سکتا ہوں

یارانِ تیز گام نے منزل کو پا لیا

محمد شریف لون

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام' لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسان اور دکھی انسان

ملک حنیف وجدانی

(۲)

لاکھوں سال پہلے زلزلوں سے پہاڑوں اور وادیوں کی تشکیل
''زمین پر پانی. ۱۱۱۱۷ فی صد اور خشکی ۸۸۹.۲۸ فی صد'' جدید تحقیق
سمندری سونامی زلزلہ' اقوام متحدہ متحرک
پاکستانی زلزلہ' اقوام عالم عملاً شریکِ کار
''اور انسانیت جاگ اٹھی''
''اس وقت انسانیت ہماری پارٹی ہے''
''انسانیت کی کوئی سرحد نہیں''
''جذبۂ ہمدردی کا جوش وخروش''
''انسان دوستی نے قوت عمل کو مہمیز لگائی''
کنٹرول لائن کا جادو ٹوٹ گیا
امن کے سفر میں تیز رفتاری
ڈونرز کانفرنس' امداد کا کثیر سرمایہ اور قرضہ
برفانی طوفان سے پہلے زندگیوں کے تحفظ کی سوچ
حادثات اور مستقبل کا لائحہ عمل
زلزلہ سے محفوظ جدید ٹیکنالوجی کی تعمیرات
افراط وتفریط' مبالغہ اور حماقت سے راہِ اعتدال
''قومی رضا کار تحریک کا آغاز''
کائنات بنانے والے اللہ جل جلالہ' کی یاد!
حکمت قرآن۔ نظام ربوبیت' ربانی معاشرہ' امیر ملت اسلامیہ؟
کیا حکمران! سپاہ ربوبیت' خود قائم کریں گے؟

؎ ''نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر''
؎ ''جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا''

(آخری قسط آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر محمد صدیق سید

رائیونڈ کا اجتماع اور زلزلہ زدگان

رائیونڈ میں ایک بہت بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ خطاب ہوئے' تقاریر ہوئیں۔ وعظ ہوئے' دعائیں ہوئیں۔ اجتماعی نکاح ہوئے اور ہزاروں نئے گھر آباد ہوئے اور شرکائے اجتماع بے حد و نہایت ثواب دارین سے جھولیاں بھر کر گھروں کو لوٹے۔ یہ اجتماع ان دنوں میں ہر سال ہوتا ہے۔ مگر اب کے ایسے میں آیا ہے کہ امت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ یعنی لاکھوں افراد زلزلہ کی آفت کے مارے ہوئے ہیں۔ انتہا کی سردی شروع ہو چکی ہے اور ان کے اوپر کوئی چھت نہیں ہے۔

کاش اس بار یہ اجتماع رائیونڈ کی بجائے مظفر آباد اور بالاکوٹ میں ہوتا۔ یا پھر اس اجتماع میں شریک ہونے والے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا' اجتماع کے بعد ہی ان مصیبت زدہ علاقوں کا رخ کرتے اور یہ حاملین سنت نبویؐ' ہادی برحق اور غم گسار انسانیت ﷺ کی اس سنت مطہرہ کو زندہ کرتے جو ہر منبر و محراب سے بیان کی جاتی ہے کہ حضور محسن انسانیت ﷺ عید کے اجتماع میں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک یتیم بچہ نظر پڑا۔ جس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ جسمانی حالت ناگفتہ بہ تھی غمزدہ و افسردہ تھا۔ والیٔ بطحا ﷺ نے عید کے اجتماع میں جانا موخر کر دیا' نماز عید موخر کر دی۔ مصیبت زدہ بچے کو ساتھ لیا اور اپنے گھر چلے گئے۔ بچے کو نہلایا نئے کپڑے پہنائے' کھانا کھلایا اس کے ساتھ باتیں کیں اور کھیلتے رہے۔ اس کا غم غلط کر کے خوشیوں سے اس کی جھولی بھر دی۔ فرمایا بیٹا میں تمہارا باپ ہوں اور عائشہؓ تمہاری ماں ہے۔ اب آؤ اجتماع عید میں چلیں۔ یہ حضور رحمۃ للعالمین کی چمکتی دمکتی سنت ہے۔ کاش اس سنت کو زندہ کرنے کی فکر بھی ہم میں پیدا ہو جائے۔ حضور ﷺ کا یہ طریقہ بھی ہم میں آ جائے۔ کاش ہم حضور ﷺ کی اس جگمگاتی سنت پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ ثواب تو ورد وظیفوں سے ہم نے بہت سمیٹ لیا کوئی عمل کرنے والے بھی بن جائیں۔

کاش کہ یہ اجتماع اس شان سے ہوتا کہ ہر شریک اجتماع اپنے ساتھ ایک گفٹ بیگ لے کے جاتا جس میں خورونوش اور گھریلو استعمال کی دیگر اشیاء ہوتیں اور یہ گفٹ بیگ زلزلہ زدگان کی نذر کئے جاتے۔ کچھ نقدی بھی ہوتی جو ان کا حق سمجھ کر انہیں دی جاتی۔ زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کی سنت ادا کی جاتی۔ اگر اجتماع میں غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے کا درس دیا جاتا ہے تو اس بار اس کا پریکٹیکل کیا جاتا۔

یتیم بچوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا جاتا۔ انہیں نئے کپڑے پہنائے جاتے۔ ان کے ساتھ کھیلا جاتا' نفلوں سے زیادہ ثواب ملتا۔ حضور ﷺ کی انسانوں سے ہمدردی والی سنت زندہ ہوتی۔ ماتم کدوں میں خوشیاں لوٹ آتیں۔ شرکائے اجتماع تین دن تک وہاں رہ کر (ویسے تین دن سے زیادہ رہنے میں بھی حرج نہیں) زلزلہ زدگان بے گھر افراد کے لئے مکان تعمیر کرتے۔ جب وعظ کہنے والے بزرگ زندگی میں پہلی بار حضورؐ اقدس کی سنت ادا کرتے ہوئے گارا ڈھوتے۔ اینٹیں اور پتھر اٹھاتے تو کیا روح پرور نظارہ ہوتا۔ تعمیر مسجد نبوی اور غزوہ خندق کی یاد تازہ ہو جاتی۔ تین دنوں میں لاکھوں مکان تعمیر ہوتے۔ لاکھوں بے گھر لوگ آباد ہو جاتے۔ گھروں والے بن جاتے۔ لٹے پٹے لوگوں کو احساس ہوتا کہ کوئی ان کا پرسانِ حال ہے۔ امت مسلمہ زندہ ہے اور اسے مدد کرنا آتی ہے۔ اسے گرتوں کو سنبھالا دینا آتا ہے۔ یوں انسانوں کو اس اجتماع سے فائدہ پہنچتا اور حکومت کو بھی ''بھیک مانگ کانفرنسیں'' نہ کرنا پڑتیں۔ یوں اسلامی اخوت کا عملی مظاہرہ ہوتا۔ مواخات مدینہ کی ایک ننھی سی جھلک چشم فلک کو پھر نصیب ہو جاتی۔

اخبارات کہتے ہیں کہ اجتماع میں آٹھ لاکھ افراد جمع ہوئے۔ اگر ہر فرد اپنے ساتھ دو دو اینٹیں لے جاتا تو ۱۶ لاکھ اینٹیں جمع ہو جاتیں جن سے ہزاروں مکان تعمیر ہو سکتے تھے۔ اگر ہر فرد ایک ایک ہزار روپیہ بھی دیتا تو ۸۰ کروڑ روپے جمع ہو جاتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ کے خطوط

خداوندا ترے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں!

مذہب کے ایک بہت بڑے داعی کا اصول زندگی تھا کہ ''زندگی کی بعض ضروریات ایسی ہوتی ہیں جن کے لئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے'' دوسری طرف قرآن حکیم کی رو سے متشکل ہونے والی ریاست کے ایک زبانی شیدائی (وزیر محمد جعفر' کا مونکی) اپنی قرآن فہمی کا مظاہرہ کچھ یوں فرماتے ہیں ''مجھے ایک عزیز کی نوکری کے سلسلے میں رشوت دینی پڑی۔ باوجود اس کے کہ میں نے رشوت مانگنے والے کو یہ حدیث مبارکہ بھی سنائی کہ ''رشوت دینے اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں'' جب میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اپنے مقصد میں ناکام رہا تو اپنے قریبی دوست احباب سے مشورہ کیا۔ سب دوستوں نے یہی صلاح دی کہ کیوں اپنے عزیز کی نوکری داؤ پر لگاتے ہو رشوت دو اور اپنی جان چھڑاؤ چنانچہ رشوت دے کر میں نے اپنا کام نکالا''۔

ان متذکرہ بالا دو نقطہ ہائے نظر کے علاوہ یہاں ایک عام غریب اور سادہ سے مسلمان کے کردار کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ راقم کے ایک نہایت مہربان دوست نے اپنے ایک غریب اور بیکار پڑوسی نوجوان کی سفارش کی کہ کافی عرصہ سے بیکار ہے اور مدد کا مستحق ہے اسے کہیں کام پر لگا دو۔ میں نے حامی بھر لی اور دوسرے دن نوجوان کو کام پر لگا دیا۔ نوجوان انتہائی محنتی اور فرض شناس نکلا۔ تین ماہ کی ملازمت کے بعد ایک دن میں نے اسے دفتر میں بلایا اور اس سے تین عدد فوٹو مانگے تاکہ اسے ''مستقل'' کر دیا جائے (کیونکہ کمپنی کے رولز بھی ایسے تھے) مگر نوجوان نے فوٹو دینے سے انکار کر دیا اور کہا میرے مذہب میں تصویر اتروانا منع ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا اور اپنا حساب لے کر چلا گیا۔ بات یہ نہیں کہ فوٹو کھچوانا جائز ہے یا ناجائز بات صرف ''اصول'' کی ہے اور اپنے اصول کے لئے قربانی کی ہے۔ اس نوجوان کو بھی ملازمت ختم ہونے کی صورت میں اپنی مشکلات صاف نظر آ رہی تھیں مگر وہ اپنے اصول کی خاطر ان کو خاطر میں نہیں لایا اور

اپنی لگی نوکری کو چھوڑ کر چلا گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پاکستان بننے کے شروع کے دنوں کا ہے۔ راقم نے بس نہ ملنے کی وجہ سے ایک دن اپنے کام سے چھٹی کر لی جب میں مری روڈ راولپنڈی کے اس وقت کے ''کمپنی باغ'' اور آج کے لیاقت باغ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باغ سے خاکسار تحریک کے جلسے کا اعلان ہو رہا ہے اور خاکسار سپاہی دستوں کی صورت میں مارچ کرتے ہوئے ادھر ادھر سے باغ کی طرف آ رہے ہیں۔ ان سپاہیوں کے ایک جیش میں راقم نے اپنے کارخانے کے ایک کاریگر کو وردی پہنے مارچ کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ دوسرے دن ازراہ مذاق میں نے آفس بوائے کو کہا کہ فلاں مشین پر کام کرنے والے کاریگر کو بلا لاؤ۔ وہ کاریگر تھوڑی دیر میں دفتر میں حاضر ہو گیا میں نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ اپنی ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے کہا کہ تم کل کہاں تھے تمہارے خلاف یہ رپورٹ آئی ہے کہ تم حکومت مخالف پارٹی کے ممبر ہو اور کل تم اس پارٹی کے جلسے میں شامل تھے اور ڈیوٹی پر نہیں آئے لہٰذا تمہیں نوکری سے برخاست کر دیا جائے (ان دنوں خاکساروں کے خلاف اکثر ایسا ہی سلوک ہوتا تھا) میں نے اس کاریگر کو سمجھانے کے انداز میں کہا کہ تم غریب آدمی ہو اور ہمارے اچھے کاریگر ہو اگر تم مجھے لکھ دو کہ تم آئندہ اس پارٹی سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھو گے تو میں تمہاری سفارش کر دیتا ہوں اور اس طرح تمہاری نوکری بچ سکتی ہے جاؤ اور مجھے سوچ کر بتاؤ۔ وہ دفتر سے نکل گیا اور میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھوڑی دیر میں وہ اپنے کپڑے پہن کر آ گیا اور کہنے لگا ''صاحب مجھے اپنا حساب دے دو۔ میں اپنی جماعت نہیں چھوڑ سکتا میرا تو باپ بھی خاکسار ہے'' اس جواب کے بعد میں نے اسے اپنے مذاق سے آگاہ کر دیا۔

یہ دنیا ہے اور یہاں ہر آدمی کی آنکھوں کے سامنے دنیاوی مصلحتیں اور دور اندیشیاں رقص کرتی ہی رہتی ہیں مگر اپنے نظریات کے ساتھ مخلص لوگ ان کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایک عظیم الشان منزل کی تکمیل کا منصوبہ اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کچھ اینٹیں اس کی بنیاد میں دفن نہیں ہو جاتیں۔ اگر ہر اینٹ کا مطالبہ اور خواہش یہی ہو کہ وہ تو عمارت کی آخری منزل کے کنگرے پر ہی لگے گی تو یہ عظیم الشان عمارت کبھی بھی معرض وجود میں نہیں آ سکتی۔

کسی بھی ضابطۂ حیات کو ماننے والے افراد میں اس قسم کا اعلیٰ کیریکٹر پیدا نہیں ہوتا تو پھر ان کا نظریۂ حیات محض شاعری ہے نظریہ نہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ متذکرہ بالا کرداروں میں گفتار اور عمل کا تضاد کن لوگوں میں زیادہ ہے عام سادہ لوح مسلمانوں میں یا کسی نہ کسی مذہبی۔ دینی یا

سیاسی فہم سے متعلق لوگوں میں۔ کیا رب کائنات گفتار و عمل کے اتنے بڑے تضاد کی حامل اقوام کو سلطنتیں اور حکومتیں انعام و اکرام کے طور پر دے گا یا عذاب و سزا کے طور پر۔ اب ہے کوئی خدا کا بندہ جو ہم سادہ لوح مسلمانوں کو یہ سمجھائے کہ اگر ان مکتبہ ہائے فکر کے حامل افراد نے اپنے اپنے فہم دین و مذہب کے مطابق کبھی کوئی مذہبی، دینی یا سیاسی سلطنت قائم کر بھی لی (جس کی دور دور تک کوئی نشانی نظر نہیں آتی) تو اس سلطنت میں عملاً ہوگا کیا؟ سلطنتیں اور حکومتیں عمل کرنے یا اپنا سرخ خون بہانے سے ہی ملتی ہیں۔ بیانات داغنے کاغذ سیاہ کرنے یا نعرے لگانے سے نہیں ملتیں اور اگر دنیا میں کہیں کوئی ایسا حادثہ ہو بھی جائے تو اس کا جو حشر ہوتا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے یونہی تو نہیں کہا تھا کہ ؎

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

کسی بھی سلطنت کو چلانے کے لئے اعلیٰ پایہ کے منظم افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اعلیٰ کیریکٹر کے حامل ہوں۔ وگرنہ بھیڑ یا راج سے اصلاح و فلاح کی توقع کرنا وقت کا ضیاع ہی ہے اور کچھ نہیں۔ والسلام

نواز اختر اعظمی، چوک اعظم

محترم نواز اختر اعظمی صاحب، کیریکٹر کی اہمیت سے کسے انکار ہے یا ہو سکتا ہے۔ ہمیں آپ کے ارشادات سے پورا اتفاق ہے مگر وزیر محمد جعفر صاحب نے اپنے مضمون میں کہیں بھی اپنے کیریکٹر کی بلندی کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے اپنی اس کمزوری کو قرآن و حدیث سے جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے آپ کا ان پر غصہ کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ہمارے خیال میں انہوں نے ہمارے معاشرے میں موجود قول و فعل کے تضاد ہی کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے جس کا ہم اور آپ من حیث المجموع، شکار ہیں۔ (م س ا)۔

☆☆☆

السلام علیکم۔

طلوع اسلام کا اکتوبر ۲۰۰۵ء کا پرچہ ملا جس میں خواجہ ازہر عباس کا مضمون ''اللہ کی اطاعت براہ راست نہیں ہو سکتی'' پڑھا۔

پہلے اتنا عرض کر دوں کہ میری نظر میں خواجہ ازہر عباس بہت بڑے عالم دین ہیں۔ آپ پچاس سال سے قرآن کو سمجھنے اور عوام کو سمجھانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں خود خواجہ صاحب سے گفتگو اور بحث و مباحثہ کرنے کے بعد ملاؤں کے روایتی مذہب سے ہٹ کر خالص قرآنی فکر سے روشناس ہوا۔ خواجہ صاحب جب بھی لندن تشریف لائے میں اور میرے ساتھی بار بار ان سے علمی و

فکری نشست کر کے فیض یاب ہوئے۔

لیکن ان تمام باتوں کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ خواجہ صاحب کسی بات میں غلط نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مندرجہ بالا مضمون میں خواجہ صاحب نے جنگ کی صلوٰۃ کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔ انہوں نے سارا ترجمہ روایات کا سہارا لے کر کیا۔ قرآنی تعلیم کی روشنی میں نہیں۔ اگر خواجہ صاحب کے ترجمہ کے مطابق آدھی فوج لڑائی چھوڑ کر نماز پڑھنے لگ جائے اور فوج کا کمانڈر بھی جنگ چھوڑ دے تو پھر دشمن کو اس سے اچھا موقع کون دے گا کہ وہ آدھی فوج پر حملہ کر دے جیسا کہ تورا بورا میں ہوا۔ پھر آپ کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں جب اوپر سے گولہ باری ہو رہی ہو، جنگی جہازوں کا شور ہو، یہ ایک بڑی غلط جنگی پالیسی ہوگی کہ آپ آدھی فوج کو دن میں پانچ بار ناکارہ کر رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر خواجہ صاحب کو کسی مسلمان فوج کے کمانڈر کے مشیر کی جاب مل گئی تو اس فوج کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

اس قسم کے عجیب وغریب واقعات پہلے زمانے میں بھی رونما ہو چکے ہیں جب رومن نے یہود پر حملہ کیا تو دیکھا کہ یہودی سبت کے دن نہیں لڑتے تو رومن نے سوچا کہ کیا ضرورت ہے باقی دنوں میں لڑنے کی! اس وقت حملہ کر دو جب یہ لوگ لڑیں گے ہی نہیں بالکل اسی طرح جس فوج کے کمانڈر کے مشیر خواجہ ازہر عباس ہوں گے اس فوج کے دشمنوں کو کیا ضرورت ہے باقی اوقات میں لڑائی کرنے کی صرف نمازوں کے اوقات میں حملہ کر دو جب آدھی فوج ہی ناکام ہو جائے۔

آخر میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ خواجہ صاحب نے مضمون میں بڑی مشکل اردو استعمال کی ہے خاص طور پر صفحہ نمبر ۲۹ کے دوسرے کالم کی پانچویں چھٹی لائن پر غور فرمائیے تو مندرجہ ذیل الفاظ ملیں گے مسدود۔ مبہم و مغلق۔ سہل الفہم۔ اب بار بار اردو ڈکشنری کون دیکھے کاش خواجہ صاحب علمیت کا رعب جمانے کی بجائے آسان سادہ زبان کا استعمال کرتے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ ان کی زبان آسان اور سادہ ہی ہوگی۔

میرے خط کو آئندہ کسی شمارے میں ضرور جگہ دیں۔ شکریہ۔

طاہر راجہ، لندن

لیجئے راجہ صاحب آپ کی خواہش کے مطابق آپ کا خط شاملِ اشاعت ہو گیا۔ لگتا ہے خواجہ صاحب سے آپ کو خاص اُنسیت ہے۔ اسی لئے آپ کے گرامی نامہ کا مقصودِ حقیقی ''خوباں سے چھیڑ'' دکھائی دیتا ہے۔ وگرنہ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کے جوابات خواجہ صاحب کے مضمون میں موجود ہیں۔ (م س ا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

سامری نے بچھڑا بنایا

ہم نے فرقہ بندی کا سانڈ بنالیا

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ابتر کر دی گئی۔ ان کے لئے تعلیم حاصل کرنے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ بے شمار تعلیمیافتہ مسلمان افراد کا قتل عام کر دیا گیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ جن لوگوں نے اس لڑائی میں انگریز حکومت کا ساتھ دیا تھا انہیں بڑی بڑی جاگیریں بخشش کے طور پر عنایت کی گئیں۔ پاکستان میں موجودہ بے حد وحساب زمینوں کے مالک اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ برٹش دور حکومت میں زندگی کے ہر میدان میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح دی جاتی تھی۔ تمام اچھے اچھے عہدے ہندوؤں کو سونپے جاتے تھے۔ اس کی ایک وجہ انگریزی تعلیم کا فقدان بھی تھا۔ آفس میں انگریز یا ہندو آفیسر ہوا کرتا تھا اور ان کے لئے مسلمان پنکھا جھولا کرتا تھا اور باہر دروازے پر چپڑاسی بھی مسلمان کھڑا رہتا تھا محکمہ ریلوے میں اسٹیشن ماسٹر ہندو اور سگنل چینج کرنے کے لئے مسلمان، تجارت بھی ہندو کے ہاتھ میں تھی۔ اسٹیشن پر مال لالہ جی کا آرہا ہے اور دوکان میں پہنچانا مسلمان قلی (مزدور) کی ذمہ داری، گاؤں سے مسلمان کاشتکار پھل، سبزیاں، گیہوں، مکئی، چنے، کپاس، گنا، گڑ، شکر اور چاول منڈی میں لایا کرتا تھا کیونکہ سرکار نے آبیانہ (مالیہ) جو اس کے ذریعے وصول کرنا ہوتا تھا۔ علاقہ کی دیکھ بھال کے لئے تھانیدار سکھ اور مسلمان جانباز سپاہی، شہر میں جان اور مال کی حفاظت کے لئے گرمیوں اور سردیوں کی راتوں میں خان چچا چوکیدار پہرہ دیا کرتا تھا اور سیٹھ جی بغیر کسی خوف وخطر سکھ کی نیند سویا کرتے تھے۔ یہ ہے مختصر سا خاکہ جس میں آپ نے دیکھا کہ جتنے عزت والے کام ہوا کرتے تھے وہ ہم مسلمانوں کو دیئے جاتے تھے۔ ارے کیا ٹھاٹھ تھی ہماری ہندوستان میں؟ سوال یہ ہے کہ ایسی سکیم کیوں اختیار کی گئی؟ صرف اور صرف اس لئے کہ اس سرزمین میں کہیں شرع پیغمبر آشکارانہ ہونے پائے۔ انگریز اور ہندو جانتا تھا (اور جانتا ہے) کہ دین اسلام قائم ہو جانے کے بعد ملوکیت (چاہے کسی بھی شکل میں ہو) سرمایہ داری، جاگیرداری اور مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ ہو جایا کرتا ہے۔ جس کے ذریعے ہر قسم کے لیڈران کرام بغیر محنت کئے دوسروں کی کمائی پر عیش وآرام اور تن آسودگی کی زندگی بسر کئے چلے جاتے ہیں۔

1871ء میں ولیم ہنٹر اپنی کتاب انڈین مسلم میں لکھتا ہے کہ اب مسلمانوں سے آہستہ آہستہ چھوٹے بڑے تمام عہدے چھین لئے گئے ہیں اور ان کو بہشتی، لکڑہارے بنا کر، چپڑاسی اور آفسز

میں پَین مرمت کے کام سونپ دیئے گئے ہیں..... یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں میں سے اس قوم کے بہی خواہ سرسید احمد خان اٹھے اور انہوں نے اس قوم کو پستی سے نکالنے کی خاطر علی گڑھ یونیورسٹی قائم کی تا کہ مسلمان اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ دیوبند فرقہ والوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے عین بالمقابل اپنا مدرسہ کھول کر سرسید کی مخالفت شروع کر دی اور ان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کر کے ان کو نیچری کہنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے لئے انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنا ناجائز قرار دے دیا گیا کیونکہ یہ مولوی صاحبان کا فرمان تھا اس لئے اس کا اثر کافی عرصہ بلکہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد چند سال تک رہا (اس پراپیگنڈہ کا اثر اس ناچیز پر بھی ہوا کیونکہ انسانوں کے وضع کردہ مذہب کی افیم کھائی ہوئی تھی۔ میں نے اس ملک میں آنے سے پہلے دو سال انگلش پڑھی تھی) سرسید کے علاوہ دوسرے مسلمان راہنماؤں نے بھی بھانپ لیا تھا کہ اگر حالات ایسے ہی رہے تو اس ملک سے اسلامی تہذیب کے معدوم ہونے کا خطرہ بعید از امکان نہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں علامہ اقبال کے تصور اور قائداعظم کی راہنمائی میں 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے جلسہ میں قرارداد پاکستان پاس کرنے کی توفیق عطا فرما کر مسلسل جدوجہد اور عظیم قربانیاں دینے کے بعد بال آخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی نعمت سے نوازا۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد بھی آئین پاکستان میں قرارداد مقاصد شامل کی گئی جس میں واضح طور پر کہا گیا کہ خدائی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے آئین اور آئین کو نافذ کرنے کے لئے ایک آزاد خطہ زمین کی وراثت چونکہ لازمی امر ہے اس لئے یہی نظریہ نظریۂ پاکستان کی بنیاد قرار پاتا ہے..... یہ عجب اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 44 کا آخری حصہ جس کی مزید تاکید اسی سورۃ کی آیت نمبر 45 اور 47 کر رہی ہیں۔ ''جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ (حکومت) نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں'' (5/44) جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ (حکومت) نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں ((5/45 جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ (حکومت) نہیں کرتے وہی تو فاسق ہیں ((5/47 کما حقہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔ اللہ نے اپنے قانون کے مطابق مومنین صالحین کو زمین کا وارث قرار دیا ہے ((21/105 ,(24/55)۔ کچھ عجب نہیں کہ جونہی مسلمانوں نے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا اسی لمحہ مالکِ ارض وسما نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کا ان کو وارث ہونا مقدر کر دیا ہو۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے رسول اکرم ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا پڑی اور رمضان کے مہینہ میں جنگ بدر میں فتح حاصل کر کے اسلامی حکومت کی پہلی اینٹ رکھی اور اسی نظام کے نفاذ کے لئے رمضان کے مہینہ میں مسلمانوں کو ہند سے ہجرت کرنا پڑی۔ قائدؒ ہم سے رخصت ہوئے یاروں نے نعرہ پس پشت ڈالا خدا کو دھوکہ دے دیا ((2/9 موسیٰ کی غیر حاضری میں سامری نے ایک بچھڑا بنایا۔ قائدؒ کے بعد ہم نے مختلف رنگوں کے کئی بچھڑے بنا ڈالے۔ جن میں سب سے بڑا سانڈ فرقہ بندی کا شرک ہے ((30/32 جو نا قابل معافی ہے ((4/48۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 52-55 میں اسلام کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں جہاد میں شرکت سے جی چرانے والے کلمہ گو منافقین کو فاسقین و کافرون کہہ کر ان کا مآل اس دنیا میں عذاب بتایا گیا ہے۔ المائدہ کی مذکورہ بالا آیات کو ملانے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہی ذکر ہے۔ عذاب کی ایسی کونسی شکل ہے جس میں پاکستانی مبتلا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور مذہبی رواداری

(ماخوذ از طلوع اسلام جون 1939ء)

غالباً آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مکتب میں جب بچوں کو شرارت سوجھتی اور وہ مولوی صاحب کے پنجہء استبداد سے کم از کم کچھ وقت کے لئے چھوٹنا چاہتے تو وہ منظم سازش کرتے' ایک آتے ہی کہتا اوہو! قبلہ خیریت ہے۔ آج نصیب اعدا کچھ طبیعت مضمحل سی نظر آتی ہے۔ مولوی صاحب فرماتے کہ ہاں بھائی رات کچھ دیر سے سویا اچھی طرح نیند نہیں آئی۔ رفت گذشت۔ دوسرا آتا اور السلام علیکم کے بعد مولوی صاحب کے چہرہ پر متردّدانہ نگاہ ڈال کر پوچھتا کہ مولانا خیریت ہے! آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں' چہرے پر کچھ تمازت کے آثار بھی ہیں۔ مولوی صاحب فرماتے کہ ہاں بھئی کچھ اعضاء شکنی سی محسوس ہو رہی ہے۔ تیسرا ابھی آ کر بیٹھنے بھی نہ پاتا کہ ایک گہری تشویش سے پوچھتا کہ مولوی صاحب' مزاج گرامی میں کچھ خرابی سی نظر آ رہی ہے اب مولوی صاحب کا دل بھی ڈوبنا شروع ہو جاتا' فرماتے کہ ہاں کچھ حرارت سی محسوس ہو رہی ہے۔ چوتھا طالب علم ابھی آنے بھی نہ پاتا کہ مولوی صاحب لحاف اوڑھے حجرے میں دراز ہیں اور نبض پر ہاتھ رکھو تو سچ مچ تپ چڑھ رہی ہے۔

مولوی صاحب کے بخار آ جانے کا واقعہ افسانہ ہو یا حقیقت' لیکن اس میں کچھ کلام نہیں کہ پروپیگنڈا اگر منظم طریقہ سے کیا جائے تو فی الواقع قلب ماہیت پیدا کر دیتا ہے۔ اشیاء کی نوعیت اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کے زاویئے بدل دیتا ہے۔ جو چاہتا ہے منوا لیتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے تسلیم کرا لیتا ہے۔ یہی وہ سحر سامری ہے جس کی نگاہ بندی سے قوموں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا۔ ولھم اذان لا یسمعون بھا۔ آنکھیں اپنی ہیں لیکن دیکھتے کسی اور کی عینک سے ہیں۔ کان اپنے ہیں' لیکن سنتے کسی اور کے آلہء صوت سے ہیں۔ دل اپنے ہیں' لیکن سمجھتے کسی اور کے دماغ سے ہیں اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ بالکل ''ہز ماسٹرز وائس'' ہوتے ہیں۔ ((7/179

اسلام کے ساتھ بھی دنیا میں ایسا ہی ہوا ہے۔ اس نے ابھی اپنی تربیت گاہ سے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ یورپ کے ارباب حل وعقد کو اس سے خواہ مخواہ ایک خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے اس کا بہترین علاج یہی سوچا کہ اسلام کو اس کے اصلی خدوخال میں کہیں ظاہر ہی نہ ہونے دیا جائے۔ ارباب سیاست کے پیش نظر کچھ اپنی مصلحتیں تھیں' خداوندان مذہب اپنی سیادت کا تحفظ چاہتے تھے۔ چنانچہ دونوں گروہ اس مشترکہ مقصد کو لے کر اٹھے اور زبان وقلم کے زور سے اسلام کی ایک ایسی بھیانک تصویر کھینچی کہ غیر تو غیر خود اپنے بھی جب اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو کانپ کر رہ جائیں۔ جب دول یورپ کا تسلط دیگر ممالک پر ہوا تو انہوں نے وہاں بھی اس مقصد کو فراموش نہیں ہونے دیا اور چونکہ قاعدہ ہے کہ حاکم قوم کی ہر ادا میں اک شانِ خداوندی نظر آیا کرتی ہے۔ لہٰذا اقوام یورپ نے اسلام کی تصویر کے جو جو ایڈیشن شائع کئے۔

دل و دماغ کے چوکھٹوں میں فریم کرا کے رکھے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیائے تہذیب وتمدّن میں جہاں کہیں اسلام کا نام آتا ہے قتل وغارت گری، بربادی وتباہی، ہلاکت و خوں ریزی، جور وتظلم، ستم واستبداد کے خونی مناظر ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جن میں نظر آتا ہے کہ (معاذ اللہ) وحشی وخوں خوار جنگلی انسانوں کے غول کے غول نیزوں اور تلواروں کی جھنکار میں سیل حوادث کی طرح کف بردہاں بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ جن کے جلو میں سبعیت و بربریت کے مجسمے ہولناک آہن پوش جنات کی شکل میں آگ اور خون کی ہولی کھیلتے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں میں امنڈتے چلے آتے ہیں اور اس قہر خداوندی، اس سیلاب بلا، اس طوفان بدتمیزی کے سامنے تہذیب وتمدّن، علم و عمرانیت، عدل وانصاف، عفت وعصمت، مذہب ومسلک ایک ایک کر کے جڑ سے اکھڑتے چلے جاتے ہیں۔ مظلوموں کی فریاد، یتیموں کی آہ وبکا، بیواؤں کا نالہ وفغاں آسمان تک جاتا اور ٹکرا کر واپس آجاتا ہے، کہ گویا (نعوذ باللہ) اس خوں خوار قوم کے خدا کا دروازہ ان سب کے لئے بند ہے۔ جہاں جہاں سے یہ قیامت صغریٰ گذرتی ہے آبادیاں ویرانہ بن جاتی ہیں۔ بستیاں اجڑ جاتی ہیں۔ کتب خانے جل کر راکھ کا ڈھیر رہ جاتے ہیں۔ تہذیب وتمدّن کے آئینہ دار قصر شاہی کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کہیں ٹوٹی ہوئی صلیبوں کے انبار نظر آتے ہیں، کسی جگہ زنّار کا ڈھیر دکھائی دیتا ہے۔ مندر ویران ہیں۔ گرجے مسمار ہیں۔ نہ برہمن کو کہیں امن ہے نہ کلیسا کے راہب کے لئے ایمن۔ نہ عورتیں محفوظ ہیں، نہ بچے مصئون۔ کچھ قتل کر دیئے گئے، جو باقی بچ گئے وہ ناک میں نکیل ڈلوائے حبشی سرداروں کے کوڑے کھاتے نخاس کی طرف گھسٹتے چلے جا رہے ہیں کہ وہاں انسانیت عظمیٰ دو دوٹکوں میں فروخت کی جائے۔

غرضیکہ یہ ہے وہ تصویر جو اسلام کے نام کے ساتھ ہی سامنے آکر آنکھ کی پتلیوں میں سکتہ پیدا کر دیتی ہے۔ دیکھنے والے کا خون کھولنے لگتا ہے۔ حقارت وتنفر انتقام و مواخذہ کے بخارات قلب سے اٹھ کر دماغ پر چھا جاتے ہیں اور اسے اس ''عالم سوز تہذیب اور ننگ انسانیت تمدّن'' کو امن وسلامتی کی دنیا سے مٹا دینے کی مختلف تدابیر وخیالات کی جولانگاہ بنا دیتے ہیں۔ آیئے آج کی مختصر سی صحبت میں دیکھیں کہ جس تصویر کا یہ ایڈیشن آپ کے سامنے ہے اس کے صحیح خطوط کیا ہیں اور جس تہذیب وتمدن کو تلوار اور آگ کی نسبت سے انسانیت سوز سمجھا جا رہا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ اسلام کی صورت مسخ کرنے والوں کی یہ بے باک جرأتیں فی الحقیقت قابل داد ہیں کہ یہ سب کچھ ایک ایسے مذہب کے متعلق پیش کیا جاتا ہے جس کا اصل دستور اساسی ایک ایک حرف اور نقطہ کی صحت کے ساتھ آج دنیا کے ہر کتب فروش کی دوکان سے مل سکتا ہے۔ اور جس کے صحیح علم برداروں کا ایک ایک نقش قدم مستند تواریخ کے اوراق پر جلی اور نمایاں نظر آتا ہے۔ اس مضمون میں ہم بتانا صرف یہ چاہتے ہیں کہ خدا کی بادشاہت میں غیر مسلموں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے گا۔ ہم اس وقت تعلیمی اسناد کے بجائے تاریخی اشتہاد سے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت الٰہی میں پوری طاقت اور قوت کے ہوتے ہوئے محکوم ومفتوح غیر مسلموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا تھا اور انہیں بالخصوص مذہبی آزادی کس درجہ حاصل تھی۔ اس مضمون میں ہم تاریخی شہادات بالعموم غیر مسلم مصنّفوں اور مورخوں کے حوالوں سے پیش کریں گے تاکہ کسی قسم کے تعصب، جنبہ داری اور رجحان قلبی کا شائبہ نہ رہے یہ بھی واضح رہے کہ وہ سلطنت جسے ہم ''خدا کی بادشاہت'' کے مقدّس نام سے منسوب کرتے ہیں۔ قرن اولیٰ کے ایک مختصر سے عرصہ پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد جو حکومت

قائم ہوئی اسے آپ مسلمانوں کی سلطنت تو کہہ سکتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں خدا کی حکومت نہیں کہہ سکتے۔ بایں ہمہ اس حکومت میں بھی چونکہ مسلمانوں کے سامنے قرآنی تعلیم اور اسلامی روایات کے نقوش موجود تھے۔ اس لئے غیر مسلموں سے رواداری کے باب میں اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو دوسرے مذہب کی سلطنتوں میں معدوم ہیں۔

اگرچہ غیر اقوام کے ساتھ ربط وضبط تو عہدِ رسالت مآب صلعم سے ہی شروع ہوگیا تھا اور فتح خیبر یہود مدینہ اور فتح مکہ جیسے مقامات پر جس قسم کی رواداری کی مثالیں ملتی ہیں تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن بہ حیثیت حکومت عہدِ فاروقی سے اس کا سلسلہ بڑھا ہے اور چونکہ اس عہد کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے ہم شروع میں اسی عہد کے چند ایک واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اسلامی عہدِ حکومت میں غیر مسلم رعایا کو ذمی کہا جاتا تھا۔ جب یوروشلم فتح ہوا ہے تو وہاں کے ذمیوں کے ساتھ ایک عہد نامہ ہوا' اس کے اقتباسات سے اندازہ فرمایئے کہ بحیثیت فاتح۔ مغلوب ومفتوح قوم کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا گیا۔

''یروشلم کی غیر مسلم رعایا کو ان کی جان ومال' اولاد اور عبادت گاہوں' صلیبوں اور ہر اس چیز کی جو ان کی ملکیت میں ہے حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کی زمینوں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا' ان کے کلیساؤں کو نہ تو منہدم کیا جائے گا اور نہ کسی قسم کا اور نقصان پہنچایا جائے گا' ان کے اوقاف اور ان کے وقار کو بحال رکھا جائے گا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں ہر قسم کی آزادی ہوگی اور ان پر کسی قسم کا ظلم وستم روا نہ رکھا جائے گا۔''[1]

فتح یروشلم کے بعد حضرت عمرؓ جب گرجے کا ملاحظہ فرما رہے تھے تو وہیں نماز کا وقت آ گیا بطریق نے کہا کہ آپ وہیں نماز ادا کرلیں لیکن آپ نے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ مبادا بعد میں آنے والے مسلمان سنتِ عمرؓ کی تقلید میں اس گرجا کو مسجد میں تبدیل کرلیں۔ تالیف قلوب۔ بالغ نظری اور مذہبی رواداری کا یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے سر ولیم میور جیسا متعصب بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اور اس نے اپنی کتاب

(The Caliphate-- It's Rise and Fall.) میں

اس کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جملہ اقوامِ عالم میں مذہبی تعصب جنون کی حالت تک پہنچ چکا تھا۔ اسی یروشلم میں مسلمانوں کی فتح سے پیشتر ہرقلؔ نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ فلسطین' شام' ایشیائے کوچک اور مصر سے تمام یہودیوں کے اخراج کا حکم عام تھا اور ان پر جس قدر مظالم توڑے جاتے ان کی کبھی دادرسی نہ ہوسکتی تھی۔ غیر مذاہب والوں سے ہی نہیں بلکہ خود عیسائی جو اس خاص فرقہ ۲؎ سے متعلق نہ تھے جس کا ہرقل پیرو تھا ہر قسم کے مظالم کا شکار ہوتے تھے۔ چنانچہ یعقوبی فرقہ کا ایک بطریق لکھتا ہے کہ:-

''ہرقل نے اپنی مملکت میں اعلان کر رکھا تھا کہ جو عیسائی اس کے مشرب ومسلک سے متعلق نہ ہو اس کا ناک اور کان کاٹ دیئے جائیں اور اس کا گھر بار لوٹ لیا جائے یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو ہرقل اپنے سامنے نہیں آنے دیتا تھا۔ لہٰذا ان کی کہیں شنوائی نہ ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ خدائے جبار نے بنی اسماعیل کے گھرانے سے ایک ایسی ہستی کو مبعوث کر دیا جس نے ہمیں ظالم رومیوں کے پنجہء استبداد سے نجات دلائی۔ چونکہ ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے کسی عیسائی سے اس کے مذہب کے معاملہ میں تعرض نہ کیا۔ جو معبد کسی کے قبضہ میں تھا وہ

1- The Eclips of Christianity in Asia-- by Laurance B. Brown-P.39.

2- Chalcedonian.

اسی کے پاس رہنے دیا۔ اس لئے یہ تو نہ ہو سکا کہ ہمارے چند ایک گرجے جن پر Chalcedonian قبضہ کر چکے تھے واپس مل جاتے' لیکن ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رومیوں کے مظالم سے چھوٹ گئے اور ہمیں عربیوں کے ساتھ امن کی زندگی میسر آئی۔'' ۱؎

یہی حالت مصر میں تھی۔ ایک آرمینین عیسائی۔ ابوصالح۔ جو تیرھویں صدی کے شروع میں ہوا ہے' لکھتا ہے:-

''یہ ایسا وقت تھا کہ شہنشاہ (قیصر) قدیم مذہب کے پرستار عیسائیوں پر بے حد ظلم وستم کرتا تھا اور انہیں زبردستی اپنے فرقہ میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہرقل اور مقوقس کے ہاتھوں حقیقت پسند عیسائیوں نے بے حد تکالیف اٹھائیں۔ جب مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو ملت حنفیہ کی ایک قوم اٹھی جس نے رومیوں کے نخوت وتکبر کو توڑا اور مصر کو فتح کر کے یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو رومیوں کے مظالم سے نجات دلائی۔'' ۲؎

چنانچہ فتح مصر کے وقت حضرت عمر بن عاصؓ نے تمام اہل مصر کو ایک شرائط نامہ لکھ کر دیا جس کی رو سے ان کی املاک' نفوس اور اولاد سب محفوظ تھیں۔ ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی ان کے گرجے اور معبد بالکل مصئون تھے اور دشمنوں کے حملوں سے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ تھی۔ ۳؎

فتح دمشق کے وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے بڑے بڑے مقنن اور سیاست داں سنتے ہیں اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ مسلم افواج دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔ ایک طرف حضرت خالدؓ تھے۔ دوسری طرف ابوعبیدہؓ۔ حضرت خالدؓ ایک رات خندق پار کر کے قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے۔ نیچے اتر کر دروازہ کھول دیا اور مسلم فوج درانہ شہر میں گھس آئی۔ عیسائیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو فوراً دوسری طرف جا کر چپکے سے حضرت ابوعبیدہ سے صلح کر لی۔ چنانچہ ایک طرف سے حضرت خالدؓ بحیثیت فاتح شہر میں بڑھتے چلے گئے اور دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ بحیثیت حلیف بڑھتے آئے وسط شہر میں دونوں فریق آ ملے۔ نصف شہر بہرحال لڑائی میں فتح ہوا تھا اور اس حصہ کے ساتھ ان شرائط کے ماتحت سلوک ہونا چاہئے تھا جو بحیثیت فاتح اہل دمشق سے بعد میں طے ہوئیں۔ لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ چونکہ انہوں نے اہل شہر سے صلح کر لی ہے اور وہ انہیں امان دے چکے ہیں اس لئے ان سب کو حلیف ہی شمار کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اہل شہر سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ایفائے عہد کے متعلق یونان کے مقنن اعظم سولن نے لکھا ہے ''معاہدہ مکڑی کا جال ہے جو اپنے سے کمزور کو الجھا دیتا ہے اور اپنے سے قوی کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔''

جب مسلمانوں کی افواج وادی ءجروان میں پہنچیں تو وہاں کے عیسائیوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ:-

''اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینی حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ اس لئے کہ تم معاملہ میں ان سے کہیں بہتر ہو اور ہم سے ہمیشہ عدل و انصاف سے پیش آتے ہو اور تمہاری حکومت ان سے بدرجہا اچھی ہے کہ انہوں نے تو ہمارے گھر بار ہم سے چھین لئے۔'' ۴؎

حمص میں مسلمانوں نے کچھ عرصہ تک اپنی چھاؤنی رکھی۔ عیسائیوں کی افواج نے جب دوبارہ حملہ کیا تو حمص کے عیسائیوں نے اپنے شہر کے دروازے بند کر لئے اور ان سے

1- Chronique de Michel le Syrian--II--412. 413.2- The Churches and Monastries of Egypt. P.30-31.
3- Preaching of Islam-- Arnold., 4- Preaching of Islam--Arnold.

کہہ دیا کہ جاؤ تم سے ان مسلمانوں کی حکومت ہزار درجہ بہتر ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو فوجی ضرورت کے ماتحت کسی دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا تو اہل شہر روتے تھے اور التجائیں کرتے تھے کہ خدا کے لئے جلدی واپس آنا کہ کہیں رومن عیسائی پھر ہم پر حکومت کرنے کو نہ آ جائیں۔ا؎ اللہ اللہ!

تو نخلِ خوش ثمرے کیستی کہ باغ و چمن

ہمہ ز خویش بریدند و با تو پیوستند

اسی حمص کا واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ان سے سال بھر کا خراج وصول کیا۔ لیکن چھ مہینہ بعد انہیں دوسری جگہ جانا پڑ گیا تو حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ نصف خراج اہل شہر کو واپس کر دو کہ جب ان کی حفاظت ہی نہیں تو اس حفاظت کے بدلے میں خراج کیسا؟ ۲؎ کیا ایسی مثال کسی اور تاریخ میں آپ کو مل سکتی ہے؟

جبلہ بن ایہم کا واقعہ مشہور ہے کہ جب طواف کعبہ کے دوران میں اس کی چادر ایک اعرابی کے پاؤں تلے آ گئی تو اس نے اعرابی کے منہ پر طمانچہ مارا' اعرابی نے فوراً اس کا جواب ویسے ہی طمانچہ میں دیا۔ شہزادہ جبلہ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس کی شکایت کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام کے نزدیک تو ایک شہزادہ اور ایک ادنیٰ دہقانی کا ایک درجہ ہے تو اس نے پھر سے عیسائی ہو جانا چاہا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں ہمارے نزدیک تو تمہارے لئے تینوں راستے کھلے ہیں یا مسلمان رہو یا عیسائی ہو کر جزیہ ادا کرو یا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنی تیس ہزار فوج کے ساتھ ایشیائے کوچک کی طرف چلا گیا۔ ۳؎

سب سے بڑا الزام جزیہ کے متعلق عائد کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم رعایا سے یہ ''جرمانہ'' ان کے مسلمان نہ ہونے کے جرم کی بناء پر وصول کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ مسلمانوں کو اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ حکومت کو ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ ہر قسم کی فوجی خدمت بھی ان کے ذمہ تھی۔ غیر مسلم رعایا جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتی تھی ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر لازم تھی۔ وہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھے۔ اگر ان سے اس حفاظت کے اخراجات کی مد میں کچھ وصول کر لیا جائے جو مسلمانوں کی زکوٰۃ سے بھی کم تھا تو اس میں اندھیر کیا ہے؟ عورتیں' بچے' بوڑھے' اپاہج اور مذہبی رہنما اس سے مستثنیٰ تھے۔ ۴؎

اور پھر اس جزیہ کی مقدار کتنی تھی؟ معمولی حیثیت والے سے ۱۲۔ سالانہ' متوسط درجہ والے سے ۸۔ اور اس سے آگے خواہ کوئی کروڑ پتی ہو زیادہ سے زیادہ بارہ روپے سالانہ۔ حالانکہ ایک کروڑ پتی مسلمان سے کم از کم اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا۔ صدقات و خیرات اس کے علاوہ ہوں گے اور اس مالی قربانی کے ساتھ ساتھ جب ضرورت لاحق ہوگی تو یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں بھی شریک ہوگا اور ذمی رعایا کے مال' جان' مذہب' معابد کی حفاظت کرے گا۔ یعنی ایک ذمی رئیس بارہ روپیہ ادا کر کے نہایت اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اور اسی حیثیت کا ایک مسلمان اڑھائی لاکھ روپیہ ادا کرنے کے بعد اس ذمی کے محافظ کی حیثیت سے میدان کارزار میں دشمن کی شمشیر و سنان کا مقابلہ بھی کرے گا۔ دشمن کی گولیاں ہوں گی اور مسلمانوں کا سینہ جو غیر مسلم رعایا کی حفاظت کے لئے سپر کا کام دے گا۔ مسلمانوں سے پیشتر ساسانیوں نے عیسائی رعایا پر جو ٹیکس لگا رکھا تھا وہ ساسانی رعایا سے دگنا ہوتا تھا اور اس کے جواز میں شاہ ساپر دویم نے کہا تھا کہ لڑائی ہمیں لڑنی پڑتی ہے اور یہ مزے میں بیٹھے رہتے ہیں' دگنا کیوں نہ ادا کریں؟ ۵؎ مسلمانوں کے عہد حکومت میں جب کوئی غیر مسلم فوجی خدمت

1-2- Preaching of Islam--Arnold, .3-Eclips of Christianity., 4- Khalifs and Their Nonmuslim subjects--Tritton.,
5- Introduction to the History of the Assyrian Church--Wigram., 6- Arnold's. Preaching of Islam.

کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتا تو اس سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ چنانچہ جراجمہ کے عیسائی قبیلہ نے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا۔۶؎ اہل حیرہ نے جزیہ دیا تو ان سے یہ شرط تھی کہ ان پر خواہ مسلمان حملہ آور ہوں خواہ غیر مسلم ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔۱؎ اور ہم حمص کے واقعہ میں دیکھ چکے ہیں کہ جب مسلمان حفاظت کی ذمہ داری سے سبک دوش ہوئے تو باقی ماندہ زرِ جزیہ ذمیوں کو واپس کر دیا۔ کیا اس کے بعد بھی یہی سمجھا جائے گا کہ جزیہ غیر مسلموں سے اسلام قبول نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں وصول کیا جاتا ہے؟

ذمیوں کے حقوق کا مسلمانوں کو اس قدر خیال رہتا تھا کہ حضرت عمرؓ کے آخری الفاظ یہ تھے:

> ''میں ذمیوں کے حقوق اب اپنے جانشین کے سپرد کرتا ہوں ان کو خدا اور رسولؐ نے پناہ دے رکھی ہے۔ اس لئے میرے جانشین کو خیال رکھنا چاہئے کہ جو معاہدے ان کے ساتھ ہوئے ہیں ان پر شدت سے پابندی ہو اور ان پر کسی قسم کا زائد بوجھ نہ ڈالا جائے۔۲؎

حضرت عمرؓ کے خلاف بعض الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے مذہب کے معاملہ میں عیسائیوں پر کچھ پابندیاں عائد کر رکھی تھیں لیکن سر تھامس آرنلڈ نے (Caetin.) وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تحقیق کی ہے کہ یہ تمام الزامات بعد کی اختراع ہیں اور ابن حزم سے پہلے ان کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس یہ واقعات بھی حضرت عمرؓ کے عہد کے ہیں کہ انہوں نے ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دیا اور اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو حضرت عمرؓ اس مسلمان کو ذمی کے قتل کے بدلے میں قتل کرا دیتے۔ انہوں نے تمام زمینیں ذمیوں کے قبضہ میں رہنے دیں اور یہ حکم دے دیا کہ کوئی مسلمان کسی ذمی کی زمین کو خرید نہیں سکتا۔ ذمیوں کے علاقہ کے متعلق کوئی معاملہ پیش آتا تو انہی کے نمائندوں سے اس کے بارہ میں مشاورت ہوتی۔ قاعدہ تھا کہ جو شخص اپاہج اور ضعیف ہو جاتا اور محنت و مزدوری سے کسب معاش نہ کر سکتا تو اس کے لئے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاتا' مساوات کی یہ انتہا ہے کہ اس رعایت میں مسلمانوں کے ساتھ ذمی بھی برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ ابن ولید نے حیرہ کے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اس میں یہ شرط بھی داخل تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ حکومت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی' لیکن روح اسلامی ابھی مسلمانوں میں موجود تھی چنانچہ عہد بنی امیہ اور عہد عباسیہ میں بھی ہمیں مذہبی رواداری کے درخشندہ واقعات صاف صاف نظر آتے ہیں۔ خلیفہ عمرو بن عبدالعزیزؒ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی گرجا کوئی صومعہ گرایا نہ جائے۔۳؎

خلیفہ ہشام کے لڑکے نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے مارا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اس سے کہو کہ عدالت میں جا کر چارہ جوئی کرے۔ مسلمان اور عیسائی کی تمیز کیسی۔۴؎

خلیفہ المامون کے وقت میں ایک پادری یزدان بخت دربار میں آیا' مسلمانوں سے اس نے مباحثہ کیا اور ہار گیا۔ خلیفہ نے کہا اب مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کہا زبردستی یا اپنی مرضی سے۔ خلیفہ نے کہا اپنی مرضی سے اس میں زبردستی کوئی نہیں۔ اس نے کہا پھر تو میں مسلمان نہیں ہوتا۔ چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے فوجی حفاظت میں اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے۔ مبادا کوئی نادان اسے نقصان پہنچا دے۔۵؎ عہد عباسیہ میں نسطورین فرقہ کے عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تنازع ہو گیا۔ ایک مسلمان مارا گیا جس سے مشتعل ہو کر مسلمانوں نے ان کے گرجے پر حملہ کر دیا۔ گرجے کو اتفاقیہ آگ لگ گئی۔ عیسائیوں نے مسلمان قاضی کی

1-4-Preaching of Islam--Arnold.,

طبقات ابن سعد جس کی تائید آرنلڈ نے بھی کی ہے۔۔۲

3-5 The Caliphate..... Muir.,

عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ چنانچہ ابو حامد اسفرائینی اور ابوبکر خوارزمی جیسے جلیل القدر مقننین کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ جس شخص نے گرجے پر حملہ کرنے میں سابقت کی ہے وہ مجرم ہے اسے اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ ا؎ ان واقعات سے اس زمانہ کی عام مذہبی آزادی کا پتہ چل سکتا ہے۔

مصر میں سلطان صلاح الدین کے وقت میں عیسائی اچھے اچھے عہدوں پر متمکن تھے۔ سیکریٹری' اکونٹنٹ' رجسٹرار بالعموم عیسائی ہوتے تھے۔ ۲؎ مسٹر لارنس ای براؤن نے لکھا ہے کہ مصر میں عیسائیوں پر سوائے خلیفہ الحاکم کے عہد کے جو درحقیقت دیوانہ قرار دیا جاتا تھا کبھی ظلم وستم نہ ہوا اور جہاں کہیں عیسائیوں نے کچھ مصیبتیں اٹھائیں وہ ان کی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے تھیں۔ ۳؎ جنگ صلیبی کے وقت بہت سے عیسائی مسلمانوں کے کیمپ میں پناہ گزیں ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کو امان دی۔ ان میں سے کچھ تو واپس چلے گئے اور بہت سے وہیں ملازم ہو گئے اور اپنے آبائی مذہب پر بدستور قائم رہے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ انہی حالات کی روشنی میں سر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ :-

''اگر خلفائے عباسیہ چاہتے تو جس طرح ازبلا اور فرڈی ننڈ نے ہسپانیہ سے اسلام کو خارج کر دیا تھا یا لوئس چہاردہم نے فرانس میں پراٹسٹنٹ کے عیسائی فرقہ کو مجرم قرار دے دیا تھا وہ بھی ایشیائے کوچک سے عیسائیت کو خارج کر دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔'' ۴؎

انہی صلیبی لڑائیوں کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک سرہنگ' فرنگی فوج سے ایک شیر خوار بچہ اٹھالایا اس کی ماں رنج وغم سے بے قرار ہو گئی اور اپنے سرداروں کے پاس جا کر روئی۔ انہوں نے کہا کہ سلطان صلاح الدین ایک سچا مسلمان ہے اس کی خدمت میں جا کر عرض کرو۔ وہ روتی ہوئی آئی اور اپنی داستان سنائی۔ سلطان یہ کہانی سنتا جا رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ اپنی کہانی ختم کر چکی تو سلطان غصہ سے کانپ رہا تھا۔ خود اٹھا' ساری فوج میں تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ بچہ بیچ دیا گیا ہے۔ اس کے دام ادا کر کے بچہ کو واپس منگایا اور اس کی ماں کی گود میں دے دیا اور سوار کرا کے عزت کے ساتھ واپس پہنچا دیا۔

جس زمانہ میں سلطان رملہ کے متصل خیمہ زن تھا یا فا میں انگلستانی بادشاہ رچرڈ بیمار پڑا۔ رچرڈ کے پاس اس وقت صرف دو تین سو سپاہی تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ بیمار دشمن پر حملہ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ رچرڈ کے پاس کوئی انتظام نہیں تھا۔ سلطان اسے روزانہ برف اور میوہ بھیجتا تھا اور بعض مورخ تو لکھتے ہیں کہ سلطان خود طبیب بن کر اسے دیکھنے گیا اور اس کا علاج بھی کیا۔

جب فرنگی بیت المقدس میں سلطان کے محاصرہ سے تنگ آ گئے تو امان کے طالب ہوئے اس نے امان دے دی اور کہا کہ تمام فرنگی چالیس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جائیں۔ جب اسلامی فوج شہر میں داخل ہوئی تو سپاہیوں نے دیکھا کہ فرنگی اشرفیوں کے صندوق بھرے لئے جا رہے ہیں سلطان سے جا کر کہا کہ فاتح فوج ایسی غنیمت سے کیوں محروم کی جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ درست ہے لیکن بدعہدی ہمارا شیوہ نہیں۔

سلطان مراد ثانی کے مقابلہ میں جب صلیبی لشکر ہونیاد کی قیادت میں جو کیتھولک تھا میدان قوصوہ میں صف آرا تھا اس وقت ہونیاد کے ساتھی سلطان سربیا نے اس سے پوچھا کہ اگر تم کو فتح حاصل ہو گئی تو کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ سب کو کیتھولک بنا کر چھوڑوں گا۔

لیکن جب یہی سوال سربیا نے مراد کے پاس بھیجا تو اس نے جواب میں لکھا کہ میں اگر کامیاب ہوا تو ہر مسجد کے

1-3-Eclips of Christianity., 4-Preaching of Islam--Arnold.,

پہلو میں ایک ایک کنیسہ بنانے کی اجازت دے دوں گا تاکہ جس کا جی چاہے مسجد میں آئے جس کا جی چاہے کنیسہ میں جائے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ سربیانے ہونیاد کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے صلیبیوں کوشکست اٹھانی پڑی۔

ایک بار ایک عثمانی مفتی سے کسی نے سوال کیا کہ اگر دس مسلمان ایک یہودی یا عیسائی ذمی کے قتل میں شریک ہوں تو کیا وہ سب کے سب قصاص میں مارے جائیں گے۔ مفتی نے جواب دیا کہ بے شک دس نہیں ایک ہزار بھی۔

اگرچہ یہ شہادتیں تاریخی اعتبار سے کچھ کم وقیع نہیں لیکن عہدِ اسلامی میں غیر مسلم رعایا کی حالت کے متعلق کچھ ایسے بیانات بھی موجود ہیں جن پر کسی خارجی اثر' یک طرفہ میلان و رجحان یا کسی دباؤ کا امکان نہیں ہوسکتا۔ اس زمانے کے بعض عیسائی بطریق اور دیگر پادری اپنے اسقف وغیرہ کو خفیہ خطوط لکھتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ان میں سے بعض خطوط دست یاب ہو گئے ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی رعایا فی الواقع مسلمانوں کے عہدِ حکومت سے مطمئن اور خوش تھی' ورنہ ظاہر ہے کہ اگر انہیں کچھ بھی تکلیف ہوتی تو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر کیوں نہ لکھتے۔ ہم ان خطوط میں سے بعض کے اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بطریق ایشوب سویم دیوار وشیر (فارس) کے سامین کے نام ایک خط کے دوران میں لکھتا ہے:-

''یہ طے یا عرب جن کو خدا نے اس زمین کی حکومت عطا کی ہے آپ کو علم ہی ہے کہ اب ہمارے پاس رہتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی ہمارے مذہب پر حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ہمارے مذہب کی عزت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور خدائے مسیحی کے اولیاء کی تعظیم کرتے ہیں' اور کلیساؤں اور خانقاہوں پر ان کی طرف سے الطاف واکرام کا سلوک کیا جاتا ہے۔''

ا۔

چوں کہ اس بطریق کا زمانہ قریباً ۶۴۷ء لغایتہ ۶۶۰ء ہے اس لئے مصرحہ بالا خط حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے عہدِ حکومت میں لکھا گیا ہوگا۔ یروشلم کے فرقہ مالکی کا ایک بطریق قسطنطنیہ کے بطریق کے نام ایک خط میں رقم طراز ہے:-

''مسلمان عادل ہیں اور ہم سے نہ کوئی بے انصافی کرتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی زیادتی روا رکھتے ہیں۔'' ۲۔

اسی طرح نزبن کے میٹروپولیٹن الیاس نے ۹۔۱۰۰۸ء میں لکھا ہے:-

''مسلمانوں کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی اطاعت اور محبت دیگر مذاہب کے لوگوں کی اطاعت سے زیادہ ہم کو متاثر کرتی ہے خواہ ہم ان کی رعایا ہوں یا نہ ہوں اور خواہ وہ ہم سے کیسا ہی سلوک کیوں نہ کریں اور یہ اس لئے کہ مسلمان اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کہ ہماری حفاظت کریں اور ہم سے نیک سلوک کریں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ان میں سے جو کوئی غیر مذہب والے کو ستائے گا نبی اکرم صلعم قیامت کے دن اس مسلمان سے مواخذہ کریں گے۔ ۳۔ ان کا قانون ہمارے حقوق کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ہمیں دیگر مذاہب سے متمیز قرار دیتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مسلمان نے جب کبھی ہم سے زیادتی کی ہے تو اس کے قانون نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے یہ ناجائز کام کیا ہے۔ برعکس اس کے دوسرے مذاہب کے متبعین میں سے کسی نے اگر ہماری عزت کی ہے یا ہم سے نیک سلوک کیا ہے تو اسے اس کے قانون نے بتایا ہے کہ اس نے یہ اچھا

1-Eclips of Christianity. Assernanj III,Pt.II., 2- Boehier-P.31.,

3- یہ ابوداؤد کی ایک حدیث کی بناء پر ہے (پرویز)

کام نہیں کیا لہٰذا مسلمانوں نے اگر کہیں ہم پر زیادتی بھی کی ہے تو ان کے اس اعتراف کی بنا پر کہ انہوں نے یہ مستحسن کام نہیں کیا ان کی زیادتی ہمارے لئے دیگر اہل مذاہب کے حسن سلوک سے کہیں بہتر ہے کہ جس سلوک کی بناء پر ان کے قانون نے انہیں بتایا کہ انہوں نے یہ برا کام کیا ہے''۔ ۱؎

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ غیر مسلم رعایا مسلمانوں کے عہد حکومت اور ان کے اصولوں کو کس قدر نعمت الٰہی سمجھتی تھی اور ان کو کس قدر اطمینان اور آزادی حاصل تھی۔ برعکس اس کے اس زمانے میں جہاں کہیں مسلمان عیسائی حکومت میں آباد تھے ان پر انتہائی مظالم توڑے جاتے تھے۔ ابی سینیا میں شاہ سیفا آراد نے حکم عام دے رکھا تھا کہ تمام ملک میں جتنے مسلمان ہیں یا تو عیسائی ہو جائیں یا ملک بدر کر دیئے جائیں یا جہاں ہوں وہیں قتل کر دیئے جائیں۔ ۲؎

حالانکہ یہ وہ ابی سینیا ہے جو مسلمانوں کی وسعت ظرف کے صدقے میں عیسائیوں کے قبضے میں رہا تھا- نجاشی نے مسلمانوں کے سب سے پہلے مہاجرین کے قافلے کو سات آٹھ سال تک اپنے ہاں پناہ دی تو مسلمانوں نے اس احسان کا بدلہ اس انداز سے دیا کہ سات آٹھ سو سال تک جب کہ چین سے لے کر مراکش تک اسلامی پرچم لہراتا رہا حبش کی عیسائی سلطنت میں جو ایک مختصر سے قطعہ ارض پر مشتمل تھی۔ کبھی دخل انداز نہ ہوئے درآں حالیکہ نجاشی اول کا جانشین ہی مسلمانوں کے مخالف ہو گیا تھا اور ۹ھ میں ایک دستہ فوج لے کر جدہ تک چڑھ آیا تھا- نبی ءاکرمؐ نے بجائے جنگ کرنے کے اس سے صلح کا برتاؤ کیا اور نجاشی کے احسان کے بدلے میں مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ

سالموا الحبشة ماسالمتكم

جب تک اہل حبش تم سے مصالحت رکھیں تم بھی ان سے مصالحت رکھنا۔

یہ تو تھا مسلمانوں کا طرز عمل حبش کے عیسائیوں کے ساتھ لیکن اسی حبش کا خود اٹلی کے عیسائیوں کے ہاتھوں کیا انجام ہوا دنیا اس پر شاہد ہے۔

اسپین میں جب مسلمان داخل ہوئے تو وہاں کی عیسائی سلطنت کے ماتحت یہودیوں پر ایک قیامت برپا تھی۔ انہوں نے یہودیوں کو ان کے پنجہء استبداد سے چھڑایا اور خود عیسائیوں کو ان کے مذہب میں کامل آزادی عطا کی۔ وہ اپنے معاملات کا تصفیہ اپنے قاضیوں سے کراتے۔ ہر قسم کے مذہبی تیوہار مناتے' نئے گرجے بھی تعمیر کرتے۔ آخری زمانہ میں عیسائی مذہبی جوش میں قرطبہ کے بازاروں میں آکر رسول اکرمؐ کی شان میں گستاخی برتتے۔ لیکن اسلامی حکومت کی طرف سے سزا صرف انفرادی مجرم کو دی جاتی۔ اس کے ہم مذہب دیگر افراد سے کوئی باز پرس نہ ہوتی اور تمام عیسائی رعایا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتی۔ ۳؎ فتح قسطنطنیہ کے وقت ایک روسی مورخ کا بیان ہے کہ ''عیسائیوں کے مظالم سے غریبوں پر خدا کی دنیا تنگ ہو چکی تھی۔ مسلمان اس کے خرمن استبداد پر برق خاطف بن کر گرے۔ ان کے منصف اپنی امانتوں میں کبھی خیانت نہیں کرتے تھے۔ ۴؎

فارس میں آتش پرستوں کے معبد بالکل محفوظ رہے۔ دسویں صدی یعنی فتح ایران کے تین سو سال بعد تک کے مؤرخین کے بیان کے مطابق عراق' فارس' کرمان' خراسان' آذربائیجان میں آتشکدے موجود تھے۔ المعتصم کے عہد میں ایک جرنیل نے ایک امام مسجد اور مئوذن کو دروں سے پیٹا کہ ان کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک پرانے آتشکدے کو مسجد میں تبدیل کرانا چاہتے تھے۔ شیراز میں گیارھویں اور تیرھویں صدی تک غیر مسلم رعایا کے تیوہاروں کی تقریب میں شہر کے بازار آراستہ کئے جاتے اور یہ تیوہار

1-The Eclips... 2-, Preaching of Islam., 3-Arnold's, 4- Karamsin-- Vol.V.P.43.,
5-The Caliphs and their Non-Muslim subjects-P.107.

بڑی دھوم سے منائے جاتے۔ ۵؎

اسلام کی تعلیم کا کچھ ایسا تحیر انگیز اثر ہے کہ وہ گویا انسان کی فطرت ہی بدل دیتی ہے۔ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کے چغتائی اور منگول قبائل تاریخ عالم میں وحشت و بربریت کے مجسمے تصور کئے جاتے ہیں ہر زبان میں ان کا نام آتش و خون کے حروف میں لکھا جاتا ہے۔ اس سے ان کے مذہبی تعصب وجنون کا اندازہ لگا لیجئے۔ چنگیز خاں اور بغرا خاں کے عہدِ حکومت میں یہ حکم عام تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے طریق پر کوئی جانور ذبح کرے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اسے قتل کر دے۔ لیکن یہی قبائل جب اسلام کے آغوش میں آئے تو ان کی مذہبی رواداری کی یہ کیفیت تھی کہ ازبک خاں نے پیٹر کے اسقف' کے نام ۱۳۱۳ء میں ایک منشور لکھا جس میں درج تھا کہ کوئی شخص حدود سلطنت کے اندر کسی عیسائی کے گرجا کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ اس کی جائیداد نہیں چھینے گا اور اس کے مذہب سے قطعاً تعرض نہیں کرے گا جو ایسا کرے گا۔ وہ حکومت کی جانب سے سزا کا مستوجب ہوگا اور اپنے خدا کے حضور اس کا جواب دہ۔'' ۱؎

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہندوستان کے متعلق کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا تحصیل حاصل ہے یہاں مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں مذہبی رواداری کا زندہ ثبوت خود یہاں کی مردم شماری ہے۔ ہندوستان میں قریب ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے حکومت کی اور اس میں ایسے ایسے وقت بھی آئے کہ کشمیر سے میسور تک اور گجرات سے بنگال تک ایک ہی مسلمان بادشاہ کا سکہ رواں تھا لیکن بایں ہمہ سلطنت مغلیہ کے اختتام پر مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ سے کم تھی۔ ۲؎ اور جب ''تلوار'' ہاتھ سے نکل گئی تو اس اسی ((80 سال کے عرصہ میں وہ تین گنا ہوگئی۔ ان اعداد وشمار سے اگر وہ تعداد خارج کر دی جائے جو غیر ہندی مسلمانوں اور ان کی اولاد پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہندوستان میں کس قدر اسلامی مبلغ آئے اور انہوں نے غیر مسلم باشندوں کے دلوں میں کس قدر گہری عقیدت پیدا کر لی تو شمشیر بچاری کے حصہ میں سوائے بدنامی کے اور کیا رہ جاتا ہے۔

سب سے پہلے حجاج کے عہد میں غازی محمد بن قاسم کی زیر قیادت مسلمان سندھ میں آئے۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ ''اس وقت مسلمانوں نے ہندوؤں کے تمام مندر اسی طرح رہنے دیئے' ان کو بت پرستی سے بہ جبر نہیں روکا۔ یہود' نصاریٰ' پارسی سب کو اجازت تھی کہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اسلامی حکومت کے ہندوستان غیر مسلم ہی رہا۔'' ۳؎ محمود غزنوی کے حملے مسلم جور واستبداد کے لئے بطور ضرب المثل استعمال کئے جاتے ہیں لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا عیسائی مدیر ان تمام حملوں کے تذکرہ کے بعد لکھتا ہے کہ:-

> ''محمود نے مذہب کے بارے میں کہیں زبردستی نہیں کی بلکہ کئی جگہ اس نے اپنے اہل مذہب پر ہندوؤں کو ترجیح دی''۔

اسی طرح لالہ تلسی رام صاحب اپنی کتاب ''واقعات ہند'' میں لکھتے ہیں:-

> ''محمود نے بہ جبر کسی کو مسلمان نہیں بنایا نہ کسی ہندو کو اس لئے قتل کیا کہ وہ ہندو ہے''۔

ڈاکٹر بریز اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:-

> ''مسلمانوں کی تدبیر مملکت کا یہ ایک جزو ہے کہ وہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ ان کے مذہبی رسوم کو بجا لانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں۔''

1-Arnold's., 3-The Caliphate... p.363.,

۲۔ ڈاکٹر بینک کے ایک بیان کی رو سے جب ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں گئی تو مسلمان کل آبادی کا دسواں حصہ تھے اور گورنمنٹ آف انڈیا کی مردم شماری کی رپورٹ بابتہ ۱۸۸۱ء کی رو سے مسلمان کل آبادی کا پانچواں حصہ۔ یعنی ۵ کروڑ۔ لیکن ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۹ کروڑ (پرویز)۔

اکبر کے عہد میں یہ رواداری تو گویا جانب داری کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ راجہ مان سنگھ کو مثلاً وہ اقتدار حاصل تھا جو شاید پرتھوی راج کو بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ راجہ ٹوڈرمل وغیرہ کی قدر و منزلت کسی صورت میں بکرماجیت کے نورتنوں سے کم نہ تھی۔ مذہبی آزادی کے متعلق رائے بہادر لالہ بیج ناتھ اپنی کتاب ''ہندوستان گذشتہ وحال'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مسلمان فرماں رواؤں کی نسبت یہ اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے عہد میں نئے مندر بننے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ دہلی، آگرہ، متھرا وغیرہ میں جو اسلامی قوت وسطوت کے خاص مرکز تھے۔ بہت سے مندر شاہان اسلام کے عہد کے تعمیر شدہ اس وقت تک موجود ہیں۔''

اورنگ زیب کے تو نام سے ہی ایک خونچکاں منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کم از کم اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب تک سوا من زنار نہیں اتروالیتا تھا۔ کھانا نہیں کھایا کرتا تھا۔ ا؎

لیکن تاریخ کے ان صفحات کو کہاں لے جایئے جن پر ثبت ہے کہ:

''اورنگ زیب کو خبر پہنچی کہ بنارس کے بعض حکام برہمنوں کو ستاتے ہیں تو اس نے ابوالحسن گورنر بنارس کو فرمان بھیجا کہ ہماری شریعت کا حکم ہے کہ مندر نہ ڈھائے جائیں اور ان کے پجاریوں پر سختی نہ کی جائے لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی برہمن یا ہندو پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالے۔'' ۲؎

اسی طرح بابو رام نرائن صاحب منیجر ریاست رام نگر اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ضلع سیتا پور میں مصرکہ کے مندر کو عالمگیر نے چند مواضعات جاگیر میں دیئے جو اب تک موجود ہیں۔ نیز متھرا کے نزدیک بلدیو راؤ کے مندر کو بہت سے گاؤں جاگیر میں دیئے''۔

بابو منوہر لال صاحب اوہری اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:-

''اورنگ زیب نے مندروں کو جاگیریں دیں اس کے بڑے بڑے عہدہ دار ہندو تھے''۔

پروفیسر ایشوری پرشاد صاحب اپنی ''تاریخ ہند'' میں لکھتے ہیں:-

''ملتان میں توتلہ مائی کے مندر کو ایک سو روپیہ سالانہ جاگیر عالمگیر نے عطا فرمائی۔ ڈیرہ دون کے گوردوارہ کو جاگیر دی۔ ہندوؤں پر سے محصول جاترہ جو پہلے سے چلا آتا تھا موقوف کردیا۔''

سکھ حضرات کے ہاں تو ''اورنگا'' کے مظالم کی داستانیں ہر تقریب پر دہرائی جاتی ہیں اور ان میں گورو گوبند سنگھ جی کے واقعات کو سب سے زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے لیکن رائے بہادر کنھیا لال اپنی ''تاریخ پنجاب'' میں لکھتے ہیں:-

''گورو گوبند سنگھ جی نے محاصرہ کے بعد اورنگ زیب کو فارسی میں عرضی لکھی کہ میں سیاست سے الگ ہوکر عبادت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں بادشاہ نے لکھا کہ اگر ایسا ہے تو آپ سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ اس نے تمام حکام کو اس کے مطابق احکام جاری کردیئے۔''

متاخرین میں سے حیدر علی اور سلطان ٹیپو بھی اس بارے میں بہت بدنام کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے بہت سے ہندو خاندانوں کو مسلمان کرلیا ان کے متعلق سر تھامس آرنلڈ لکھتے ہیں کہ:-

''یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ ان خاندانوں کا مسلمان ہونا ان بادشاہوں کے عہد سے بہت پہلے کا واقعہ

ا۔ اگر ایک زنار کے تاگہ کا وزن ایک تولہ بھی فرض کرلیا جائے تو گویا ۴۰۰ ہندو ہر روز مسلمان کئے جاتے تھے یا قتل کرادیئے جاتے تھے۔ اب اندازہ فرمایئے کہ اس کے پچاس سالہ عہد حکومت میں کس قدر ہندو مسلمان ہوئے یا قتل کئے گئے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے ؎ مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی۔۔۔۔ کا اعجاز معشوقانہ آتا ہوگا۔ یا للعجب۔ منہ

۲۔ ''بنارس سٹی'' مصنفہ نرنجن سیلن صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ وکیل۔ ۳۔ سوانح عمری حیدر علی۔ از ڈپٹی لال نگم۔

ہے۔''

اسی حیدر علی کے دو وزیر برہمن تھے اور شاما برہمن اس کا معتمد خاص تھا۔ ۳؎

ملوکوٹہ میں جو وشنو کا مندر ہے اس میں دو چاندی کے برتن ہیں جن پر یہ عبارت کندہ ہے۔

''یہ برتن ٹیپو سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ مندر کو دیئے گئے۔''

ان واقعات کے دہرانے سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ ان مسلمان فرماں رواؤں کی وسعت نظر اور کشادہ دلی کے قصائد لکھے جائیں بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ ان کے عہدِ حکومت میں اسلامی کلچر اسلامی روایات اور اسلامی تعلیم کے کچھ نہ کچھ آثار باقی تھے۔ اس لئے ان کا تقاضا تھا کہ غیر مذاہب والوں سے رواداری کا برتاؤ کیا جائے۔ تاریخ کے یہ صفحات آپ کے سامنے ہیں غیر مسلم مصنفین کی شہادتیں موجود ہیں ان کی روشنی میں مسلمانوں کے عہدِ حکومت پر نگاہ ڈالئے خواہ وہ عرب میں ہوں یا عجم میں' چین میں ہوں یا ترکستان میں' مصر میں ہوں یا ہندوستان میں۔ چونکہ قرآن کریم کی تعلیم کا تقاضا تھا کہ کسی شخص پر محض اختلاف مذہب کی بناء پر کوئی زیادتی نہ کی جائے اس لئے کسی کا ذاتی رجحان اور طبعی میلان کچھ ہی کیوں نہ ہو جب وہ قرآن کریم کو سامنے رکھ لیتا تھا تو عدل وانصاف سے اعراض نہیں کرسکتا تھا۔ جب عام مسلمانوں کی سلطنت میں غیر مسلموں کے ساتھ اس قسم کی مذہبی رواداری کا عملی ثبوت دیا جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ جب دنیا میں صحیح معنوں میں خدا کی بادشاہت قائم ہوجائے تو اس وقت تمام نوع انسانی کو کس قدر آزادیء مذہب اور حریت فکر حاصل ہوگی۔ غیر مذاہب کے حضرات اگر ان واقعات پر غور وفکر کی نگاہ ڈالیں تو وہ یقینا اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اسلام کا دامن ان تمام خونی دھبوں سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دینے والا ہے اور کسی حالت میں بھی رشتہء عدل وانصاف کو ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے خدا کا اعلان ہے کہ

لا یجرمنکم شنان قوم علی الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ (۸/۵)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل نہ برتو۔ عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

اور انہی واقعات کو دیکھنے کے بعد ایک عیسائی مصنف یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ:-

''تاریخ (کے واقعات) جو ہم نے اس کتاب کے صفحات پر بے نقاب کئے ہیں ظاہر کر رہے ہیں کہ اسلام ایشیاء کے عیسائیوں سے ''بزور شمشیر'' نہیں منوایا گیا۔ بلکہ اس کی اشاعت مسلمانوں کی روز افزوں ترقیوں کی وجہ سے ہوئی۔''۱؎

برعکس اس کے

1-2-The Eclips of Christianity in Asia., PP.183-184 & 143.